خیال سے انکا مجموعہ شائع کیا گیا ہے، اس کے لئے انجمن طلبائے قدیم ندوہ عام عربی مدارس کے طلبہ واساتذہ کے شکریے کے مستحق ہیں۔

لینن ۔ تصنیف رابرٹ کنکوئسٹ ترجمہ جناب جلیس عابدی صاحب تقطیع خورد، کاغذ اچھا، کتابت وطباعت معمولی، صفحات ۲۰۸ قیمت ۶؍ نیشنل اکاڈمی ۹ انصاری، مارکیٹ دریا گنج، دہلی،

اس میں لینن کی غیر معمولی، اور عہد ساز شخصیت کا مرقع اور اس کے حالات وخیالات اور افکار واعمال کا جائزہ لیا گیا ہے۔ شروع میں پس منظر کے طور پر اس عہد اور ماحول کا ذکر ہے، جس میں اس کی نشوونما اور ذہنی پختگی ہوئی تھی پھر سامراج وسرمایہ داری کے خلاف اس کی جد وجہد، ۱۷ء کے روسی انقلاب میں اس کی سرگرمیوں حکمراں کی حیثیت سے اس کے زوال اور اس کے ان فکری ونظری اثرات کو بیان کیا گیا ہے، جو اس نے اپنے بعد چھوڑے تھے، آخر میں لینن کے بارہ میں اس کے پرستاروں کی مبالغہ آمیز رائیں اور اس پر لکھی گئی، بعض اہم کتابوں اور مضامین کی فہرست دیگئی ہے۔ اس کتاب میں لینن کے اصلی درجہ اور اس کی صحیح تصویر کو غیر جانبداری کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، اور اس کے واقعی کمالات اور حقیقی کارناموں کا اعتراف بھی کیا گیا ہے۔ اور اس کی فکری ونظری خامیوں اور آمرانہ ذہنیت کو بھی دکھایا گیا ہے۔ اس سے اس کے عہد کے سیاسی وسماجی حالات کا مختصر خاکہ سامنے آجاتا ہے۔ نیشنل اکیڈمی کی دوسری مترجم کتابوں کی طرح اسکا ترجمہ بھی شگفتہ ہے۔

"ض"

.....○○○.....

جلد ۱۱۴ ماہ شعبان المعظم ۱۳۹۴ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۷۴ء عدد ۳

مضامین

شذرات

ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ بڑی خامی ہے کہ وہ وقتی جوش میں آکر ایک مرتبہ بڑی سے بڑی قربانی کر سکتے ہیں مگر کسی معاملہ میں متحد اور منظم ہو کر مسلسل جد و جہد نہیں کر سکتے، حالات کی ناسازگاری نے اُن کو اور بھی پست ہمت بنا دیا ہے، ہر حال میں قناعت یا حکومت کا شکوہ ان کا مزاج بن گیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُن کو جو دستوری حقوق حاصل ہیں یا جو دوسری اقلیتوں کے طفیل میں مل جاتے ہیں، اُن سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے، مثلاً اب مرکزی اور اتر پردیش کی حکومتوں نے پہلے کے مقابلہ میں اردو کو بہت سی تعلیمی سہولتیں دی ہیں اور اقلیتوں کے تعلیمی اداروں کو قومیانے سے مستثنیٰ کر دیا ہے، گو یہ مراعات اردو والوں کے مطالبہ کے مقابلہ میں بہت کم ہیں لیکن اگر ان سے فائدہ اٹھایا جائے تو اردو کو پنپنے کا موقع مل سکتا ہے، اسلئے مسلمانوں کو اُن سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئے، اپنے بچوں کو اردو میڈیم میں تعلیم دلائیں، اردو میڈیم اسکول اور کالج قائم کریں، قائم شدہ اسکولوں اور کالجوں کے پرائمری سیکشن میں اردو میڈیم میں تعلیم دیں، اونچے درجوں میں ہر درجہ میں ایک سیکشن اردو میڈیم کا قائم کریں، یہ اُن کا مانا ہوا حق ہے، اس میں کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، مسلم درسگاہوں میں اسلامی روایات کا پورا احترام کیا جائے، اس سے اردو زبان اور مسلمانوں کی تہذیب و روایات دونوں کا تحفظ ہو جائے گا،

اگر وہ اتنا بھی نہیں کر سکتے تو پھر اُن کو حکومت کی شکایت اور اپنی زبان و تہذیب کے تحفظ کے مطالبہ کا کیا حق ہے، اور مسلم اور غیر مسلم یا سرکاری تعلیم گاہوں میں کیا فرق رہ جائے گا، اور اس کا خطرہ ہے کہ اگر مسلمانوں نے اُردو کو ذریعۂ تعلیم نہ بنایا تو آئندہ چل کر حکومت یہ کہہ سکتی ہے کہ جب

زبان اور ماحول کے اعتبار سے مسلم اور غیر مسلم اسکولوں اور کالجوں میں کوئی فرق نہیں ہے تو پھر اُن کی الگ حیثیت کیوں قائم رکھی جائے، یہ صحیح ہے کہ ابھی تک حکومت کے تمام محکموں میں فرقہ واریت کا اثر ہے اس لئے ان سب امور میں رکاوٹیں پیدا ہوں گی، لیکن جب حکومت صراحت کے ساتھ ان حقوق کو مان چکی ہے اور سپریم کورٹ کے فیصلہ نے معاملہ کو بالکل صاف کر دیا ہے تو ان حقوق کے حصول میں زیادہ دشواری نہ ہو گی۔ مگر جائز حق بھی جد و جہد کے بغیر نہیں ملتا، اس لئے ان مشکلات کا مقابلہ بہر حال کرنا پڑے گا، لیکن آخر میں مسلمانوں کو کامیابی ہو گی، اپنے جائز اور دستوری حق کے لئے لڑنا فرقہ واریت نہیں بلکہ جمہوریت، سیکولرزم اور ملک کی بہت بڑی خدمت ہے، جن اداروں کو اس سلسلہ میں کوئی دشواری پیش آئے وہ ظفر احمد صاحب صدیقی انجمن تعلیمات دین گوین روڈ لکھنؤ کی طرف رجوع کریں، انھوں نے اقلیتی اداروں کے حقوق اور اُن کے حصول کے طریقوں پر پورا لٹریچر جمع کر دیا ہے، اُس کو بھی منگا کر مطالعہ کرنا چاہئے،

اقلیتوں کے تعلیمی اداروں کی آزادی قابلِ ستائش ہے لیکن مسلمانوں کا سب سے بڑا اور مرکزی تعلیمی ادارہ جس کے فیض سے یہ سارے ادارے قائم ہوئے، اب تک اس سے محروم ہے، حالانکہ حکومت کی جمہوریت اور سیکولرزم اور فیاضی کا سب سے بڑا امتحان مسلم یونیورسٹی کا مسئلہ ہے، افسوس ہے کہ بعض نام نہاد مسلمانوں کے مشورے سے حکومت نے یہ غلط قدم اٹھا دیا، جس کا مسلمانوں پر بڑا ناگوار اثر پڑا، اس غلط فیصلہ پر قائم رہنا دوسری غلطی اور تدبر کے سراسر خلاف ہوگا، حکومت اب بھی مسلم یونیورسٹی ایکٹ میں مسلمانوں کے حسب منشا ترمیم کر کے اسکی تلافی کر سکتی ہے، اس کے بغیر وہ مطمئن نہیں ہو سکتے،

دار العلوم ندوۃ العلماء محض ایک دینی درسگاہ نہیں، بلکہ دینی تعلیم کی تجدید و اصلاح اور
زمانہ کے حالات اور تقاضوں کے مطابق علم و دین کی خدمت کی ایک مستقل تحریک ہے جس سے
کم و بیش ہندوستان کے سارے دینی مدارس اور اسلامی اور علمی ادارے متاثر ہوئے ان مقاصد
کی اشاعت و تبلیغ کے لئے ایک زمانہ میں ہندوستان کے مختلف مرکزی شہروں میں اس کے سالانہ
جلسے بڑے دھوم دھام سے ہوا کرتے تھے، جن میں ہندوستان کے نامور علماء و مشاہیر شریک
ہوتے تھے، مگر مختلف اسباب خصوصاً ملک کے ناسازگار حالات کی بنا پر برسوں سے اُن کا
سلسلہ بند ہو گیا تھا، اب ندوہ کی روز افزوں توسیع و ترقی کے ساتھ ان کو دوبارہ شروع
کرنے کا ارادہ ہے، لیکن اب اسلامی ملکوں میں ندوہ کے ناظم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
کی شہرت اور تعلقات کی بنا پر ندوہ ہندوستان کے اندر ہی نہیں محدود رہ گیا ہے، بلکہ
اس کی شہرت اسلامی ملکوں تک پھیل چکی ہے اور اس کی حیثیت دنیائے اسلام کی ایک مرکزی
درسگاہ کی ہو گئی ہے، چنانچہ اس وقت مختلف اسلامی اور عرب ملکوں کے طلبہ ندوہ میں زیر تعلیم
ہیں، اس لئے اسی پیمانہ پر جلسہ کرنے کا بھی خیال ہے جس میں ہندوستان کے علاوہ اسلامی دنیا
کے علماء اور اہل علم بھی مدعو کئے جائیں گے، اس لئے دینی تعلیم اور موجودہ عہد کے دینی مسائل
کے متعلق اُن کے خیالات اور تجربات سے بھی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا، اس کے
مصارف کا تخمینہ تین لاکھ روپیہ ہے۔ اگر حالات سازگار رہے، اور مطلوبہ رقم فراہم ہو گئی
تو فروری یا مارچ تک جلسہ ہوگا، ہم کو امید ہے کہ مسلمان اس کار خیر میں اپنی ذمہ داری کو بھی
محسوس کریں گے، اور سرمایہ کی فراہمی میں پورا حصہ لیں گے،

مقالات

عہد ہشام کا سندھ

۷۲۴ تا ۷۴۳ء

از جناب ڈاکٹر عبد الباری صاحب لکچرار شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(الف) عرب سیاسی اور جنگی پالیسیوں کا ایک تحقیقی جائزہ۔
(ب) سندھ میں عرب اقتدار کے تہذیبی ورثے۔

(الف) ہندوستان کی تہذیبی قدامت سے ہم آپ سب اچھی طرح واقف ہیں،
اس ملک کے مغربی کنارے پر واقع سندھ کی وادی دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں (تقریب
۵۰۰۰ سال ق م) کی آماجگاہ رہی ہے، تاریخ کے اوراق ہمیں بتاتے ہیں کہ یہاں سولہ
قوموں نے اپنے تمدنی اور ثقافتی اثرات ثبت کئے ہیں[1]، موہن جوڈارو کے کھنڈرات
کے انکشاف نے ایسے تاریخی شواہد پیش کئے ہیں کہ ہمیں باور کرنا پڑتا ہے کہ اس خطۂ ارض
پر ایک ایسا وقت بھی گذرا ہے جب تہذیب کی دوڑ میں ہم یہاں کے باشندوں کو دیگر
اقوام عالم سے پیچھے نہیں پاتے ہیں[2]، خوش قسمتی ہے کہ اسلامی تمدن نے بھی، سرزمین ہند

---

[1] انسائیکلوپیڈیا امریکہ جلد ۲۵، ص ۳۲ نیویارک ۱۹۶۶ء، گریرسن: لنگوسٹک سروے آف انڈیا ج ۸، قسم ۱، ص ۳، کلکتہ ۱۹۱۹ء [2] دی آرین کلچرس آف انڈیا اینڈ ایتھنولوجیکل بیک گراؤنڈ آف اسلام: بیرن عمر رولف ام نفلس، اسلامک کلچر ج ۱۳ نمبر ۲ ص ۱۸۳، اپریل ۱۹۳۹ء حیدرآباد۔

میں اسی زرخیز وادی میں برگ و بار پیدا کیے جس سے عرب و ہند کے روابط کا ایک ایسا چمن وجود میں آیا جو آج بھی سرسبز و شاداب ہے۔

سندھ میں عربی اقتدار کے زمانے میں اسلامی کلچر کے جو دور رس اثرات مترتب ہوئے انکی اہمیت پر مسلم و غیر مسلم علماء و مورخین نے بہت کچھ روشنی ڈالی ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کی تصنیف "عرب و ہند کے تعلقات" اسکا بیش بہا نمونہ ہے، خالص تاریخی نقطۂ نگاہ سے بھی اولین فاتح سندھ محمد بن قاسم کے کارناموں کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے، اس سلسلے میں پروفیسر محمد حبیب کا کام بڑا وقیع ہے[1]، مگر اسکے باوجود ابھی اسکی تاریخ کے گوشے دھندلکے میں گھرے ہوئے ہیں انکی تحقیق کے لیے ضرورت ہے کہ عربی ماخذ کے ساتھ ساتھ جہانتک ممکن ہو مقامی ماخذ سے بھی پورا کام لیا جائے، اور مستشرقین کی تاریخی کتب بھی پیش نظر رکھی جائیں، میں نے اپنے اس مقالہ میں اسی رخ پر ایک حقیر سی کوشش کی ہے،

میرے نزدیک عربی ماخذوں میں سب سے اہم اور مستند بلاذری کی "فتوح البلدان" ہے، اسکے علاوہ میں نے طبری، قرمی، مسعودی اور دیگر عرب مورخوں اور جغرافیا دانوں کی کتابوں سے بھی استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے، اور ہند کی تاریخ سے متعلق مستشرقین کے تنقیدی نظریات کو بھی پیش نظر رکھا ہے، اور قدیم و جدید ہندوستانی تاریخ اور چینی سیاحوں کے سفرناموں سے بھی واقعات کی تطبیق میں فائدہ اٹھایا ہے، اس سلسلے میں جن دقتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اسکا اندازہ ہندوستان کی قدیم تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کو ہوگا، اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ عربوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کی منضبط تاریخ نہیں ملتی، اس دور کی کتابوں میں تاریخی واقعات کا تسلسل قائم رہتا ہے اور نہ مکمل تاریخی شواہد ملتے ہیں، قدیم کتبوں اور پلیٹوں سے البتہ بڑی حد تک رہنمائی ملتی ہے، محمد بن قاسم جیسی تاریخ ساز شخصیت ہی کو لے لیجئے تاریخ کی کتابوں میں وہ محض ایک فاتح نظر آتا ہے، جو سندھ کی وادی کو سرنگوں کرتا ہے، اسکے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس کا کام ختم اور عربوں کا اقتدار ہندوستان سے اٹھ چکا، نہ ان کا کوئی کارنامہ باقی ہے، اور نہ کوئی تہذیبی ورثہ،

[1] دیکھئے اسلامی کلچر، حیدرآباد جلد ۳، جنوری و اکتوبر ۱۹۲۹ء

مگر جب ہم حقیقت حال کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ عربوں کی حکومت سندھ سے کبھی ختم نہیں ہوئی، بلکہ مستقل طور پر انگریزوں کے برسر اقتدار آنے تک برابر قائم رہی[1]،

اس سلسلہ میں سب سے بڑی ضرورت اس غلط فکر کی تردید ہے کہ عربوں کا حملہ حصول زر اور ملک گیری کے لیے ہوا تھا، میرے نزدیک محمد بن قاسم کی فتوحات اور اس کے بعد عہد ہشام کی پیش قدمیوں کا سبب ملک گیری اور زر کی ہوس نہ تھی، بلکہ سندھ میں محمد بن قاسم نے دراصل عرب و ہند کے دائمی تعلقات کا سنگ بنیاد رکھا تھا اور عہد ہشام میں ان ہی بنیادوں پر ایک ایسا حسین اور پائیدار پل تعمیر ہوا جس سے تیرہ سو برس قبل سے لیکر آج تک اسلامی دنیا اور برصغیر ہند کے درمیان تمدنی و ثقافتی لین دین تسلسل کے ساتھ جاری ہے، اور مستقبل میں بھی جاری رہنے کے امکانات روشن ہیں، انسان کی فلاح و بہبود کی جو انقلابی تحریک اسلام نے چلائی اس کی رو جس طرح عربوں نے اہل فارس، اہل روم اور اہل مصر و مغرب تک پہنچائی، اسی طرح سندھ کے راستے رو اہل ہند تک پہنچی اور آہستہ آہستہ ان کے رہن سہن اور انداز فکر میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا،

حیرت ہوتی ہے جب مستشرقین کا ایک طبقہ خصوصیت سے لین پول اور فاضل مورخین میں ایشوری پرشاد جیسی شخصیتیں یہ کہتی ہیں کہ "ہند کی تاریخ میں عربوں کی فتوحات محض ایک افسانہ ہے اور اسلامی تاریخ میں ان کارناموں کو نتیجہ خیز نہیں شمار کیا جا سکتا"[2]

[1] انسائیکلو پیڈیا امریکہ، جلد ۲۵، ص ۳۲، نیویارک ۱۹۶۶ء [2] ایشوری پرشاد: ہسٹری آف میڈیاول انڈیا، ص ۶۶ مطبوعہ الہ آباد ۱۹۶۶ء

آئندہ سطور میں ہم حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں گے۔

فتح سندھ کا پس منظر

عربوں کے ہند سے تعلقات صدیوں پرانے ہیں، جغرافیائی اعتبار سے بھی عرب و ہند کے درمیان صرف بحر عرب حائل ہے، مشرق میں اگر اس کی موجیں ہند کے ساحل کو چومتی ہیں تو دوسری طرف مغرب میں یہی جزیرہ نمائے عرب سے بغل گیر نظر آتی ہیں، تجارتی آمد و رفت نے سمندر کی یہ خلیج صدیوں پہلے پار کر لی تھی۔ چنانچہ ۲۰۰۰ قبل مسیح فینیقیوں کے تجارتی قافلے ہند کے سواحل پر آتے جاتے تھے[1]۔ یہ تجارتی لین دین برابر چلتا رہا، یہانتک کہ جب یہ عربی النسل تجار حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تب بھی تجارتی روابط میں کمی نہیں ہوئی، ان کی تجارت بحری و بری دونوں راستوں سے ہوتی رہی، اہل ہند نے عرب تجارتی قافلوں کا خیر مقدم کیا، ان کی نوآبادیاں بھی خصوصیت سے جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں میں قائم ہوئیں[2]۔ اسی اثناء میں ایران و عرب کی پرانی مخاصمت رنگ لائی، اور جب خلیفہ دوم حضرت عمر ابنؓ الخطاب کے عہد میں جنگ کا سلسلہ طویل ہوا تو سندھ کی جاٹ اور مید قوموں[3] نے ایران کی فوجی امداد میں عملی حصہ لیا[4]، ہند کے گجراتی چالوکیا خاندان کے راجہ پولکیسن دوم کے بھی ایران سے گہرے روابط تھے، چنانچہ ایران کا سفیر راجہ کے پاس رہا کرتا تھا[5]، یہ چیزیں عربوں کے لیے باعث تشویش تھیں، کیونکہ ایران کی سرحد سندھ کے ذریعہ ہندوستان سے ملی ہوئی تھی، سندھ کے سواحل سے عرب علاقوں پر کامیاب حملہ ہو سکتا تھا،

---

[1] ریاست علی ندوی: عہد اسلامی کا ہندوستان ص ۴۳ مطبوعہ پٹنہ ۱۹۵۰ء [2] سید سلیمان ندوی: عرب و ہند کے تعلقات ص ۲۵۹، الہ آباد ۱۹۳۰ء [3] سونیتی کمار چیٹرجی: لینگویجز اینڈ لٹریچرز آف موڈرن انڈیا، ص ۳۴۳۔ کلکتہ ۱۹۶۳ء "جاٹ (زط) پراکرت کے لفظ جٹا اور سنسکرت کے جرتا سے ماخوذ ہے۔ جو جدید ہند آریائی زبان میں جاٹ یا جٹ ہو گیا ہے۔ مید غالباً میدا سے نکلا ہوا لفظ ہے جو ما قبل آریائی نسل کے لوگوں کے لیے مستعمل ہوا جن کا مستقر میدا پاٹ (میواڑ) تھا۔ راجپوتانہ کے میو قبائل، انھیں سے ہیں جو مسلمان ہو گئے۔"

[4] ریاست علی ندوی: عہد اسلامی کا ہندوستان ص ۴۴ [5] ویدیا: میڈیاول ہندو انڈیا، ج ۲ ص ۲۷۰، پونا ۱۹۲۱ء

یہ خطرہ حقیقتاً عہد صدیقی میں پیش آچکا تھا، جب سندھ کے جاٹوں اور دیگر ہندی اقوام نے بحرین میں مرتدوں کے سردار حطم بن ضبیعہ کی معیت میں اسلامی افواج سے باقاعدہ مقابلہ کیا تھا اور شکست کھانے کے بعد ہندوستان بھاگ آئے تھے[1]۔ ان حالات میں فوجی نقطۂ نگاہ سے عربوں کے لیے سندھ کے سواحل کی نگرانی ضروری تھی، اس کے علاوہ سندھ کے سواحل پر کچھ ایسی قومیں آباد تھیں، جن کا پیشہ بحری قزاقی تھا، انھوں نے اپنے بڑے بڑے جتھے بنا لیے تھے، اور کافی مرفہ الحال تھے[2]، سندھ کے راجے ان پر مکمل کنٹرول رکھنے سے قاصر تھے، ان سے عربوں کے تجارتی قافلوں کو جو ہند کے مغربی علاقوں اور سیلون کی طرف سے آیا جایا کرتا تھا، خطرہ لاحق ہو گیا تھا، اس لیے حفظ ماتقدم کے طور پر عربوں کی طرف سے سندھ اور مغربی ہند کے سواحل کی فوجی نگرانی ہونے لگی،

سب سے پہلا نگراں دستہ ۱۵ھ میں بحرین و عمان کے حاکم عثمان بن ابو العاصی ثقفی کے ایما سے ان کے بھائی حکم بن ابی العاصی کی سرکردگی میں بھڑوچ پہنچا، دوسرا دستہ گجرات کے ساحلی بندرگاہ "تھانہ" اور تیسرا دستہ مغیرہ بن ابی العاصی کی قیادت میں "دیبل" پر جو سندھ کا مشہور بندرگاہ اور ساحلی شہر تھا، حملہ آور ہوا، جن کے درمیان معمولی جھڑپیں ہوئیں اور عربی دستہ فتح یاب واپس گیا[3]، اسی طرح کے گشتی دستوں کو سندھ اور مغربی ہند کے سواحل پر بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ غیر ملکیوں کو اس کا اچھی طرح اندازہ ہو جائے کہ عرب اپنی بحری سرحدوں کی حفاظت سے نہ تو

---

[1] قاضی اطہر مبارکپوری: اسلامی ہند کی عظمت رفتہ، ص ۸۳ دہلی ۱۹۶۹ء ابن حزم: جمہرۃ انساب العرب ص ۲۶۲ مصر ۱۳۸۲ھ [2] پروفیسر محمد حبیب: دی عرب کنکوئسٹ آف انڈیا ص ۶۰ اسلامک کلچر جلد ۳ جنوری ۱۹۲۹ء [3] بلاذری: فتوح البلدان ص ۴۲۰

غافل ہی ہیں اور نہ جنگ سے خائف ہیں، اسلامی مملکت کے حدود ایران کے مشرقی علاقوں
اور اس کی ماتحت ریاستوں کی طرف بڑھتے جارہے تھے، اور اس لیے تیسرے خلیفہ حضرت
عثمانؓ کے زمانہ میں سندھ کا شمار "ثغر الہند" میں ہونے لگا تھا، ثغر کے لفظ کا اطلاق
ان علاقوں پر ہوتا تھا جو اسلامی حدود کے فوراً بعد شروع ہوتے تھے[1]، اور اسلامی
اور غیر عرب علاقوں کے درمیان سرحد کا کام دیتے تھے، گویا یہ سرحدی چوکی تھی، جو لازماً اسلامی
حدود کے باہر ہی ہوتی تھی. سندھ کی سرحد بھی ایک اہم سرحدی چوکی سمجھی جاتی تھی،
اس لیے حضرت عثمانؓ کے وقت میں ایک تجربہ کار شخص حکیم بن جبلہ کی سرکردگی میں
سندھ کے تفصیلی حالات جاننے کے لیے ایک دستہ بھیجا گیا، اس نے سندھ کے مختلف علاقوں
کا فوجی نقطہ نظر سے سروے کیا اور اس کی رپورٹ دربار خلافت میں پیش کردی[2]۔
اس کے بعد چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں خشکی کی سمت سرحد کو مضبوط بنانے
کی کوششیں جاری رہیں، چنانچہ حارث بن مرۃ العبدی نے خراسان کی سرحد سے
ملحقہ قیقان کے علاقہ پر کامیاب حملہ کیا اور مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ
واپس ہوا، اس کے بعد جب اموی اقتدار کا دور آیا تو سندھ سے اسلامی
حکومت کے تعلقات میں مزید خرابیاں پیدا ہوئیں، سندھ کے راجہ کے پاس
اموی حکام کے احتجاجی مراسلے بھی پہنچے، اس نے ان کی طرف زیادہ توجہ
نہ کی، اس لیے پہلے اموی خلیفہ حضرت معاویہؓ (۶۶۲ــ۶۸۰ء) کے وقت میں
خشکی کے راستے مزید حملے ہوئے. ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرۃ نے ملتان اور
کابل کے درمیان اہواز کا علاقہ فتح کرلیا. ان ہی ایام میں سنان بن سلمۃ الہذلی

[1] فتوح البلدان ص ۴۲۳-۴۳۰ [2] ایضاً - علی بن حامد کوفی: چچ نامہ ص ۳۰ ب قلمی نمبر ۵۹۷
بانکی پور پٹنہ

کی قیادت میں "مکران" اور پھر "قصدار" فتح ہوکر اسلامی حدود میں داخل
ہوئے، اسی عرصہ میں عراق میں مسلمانوں میں سیاسی اختلافات نے زور پکڑا
اور ایک طبقہ نے حکومت سے باغیانہ رویہ اختیار کیا، مگر اس عہد کے مدبر
اور سخت گیر گورنر حجاج بن یوسف ثقفی کے ہاتھوں شکست کھاکر سندھ کی
طرف بھاگ گیا، ان باغیوں میں محمد بن حارث علافی کے ہوا خواہوں
کی کثیر تعداد تھی، ان کو سندھ میں پناہ دی گئی، ان باغیوں نے نہ صرف
سندھ میں پناہ لی بلکہ تھوڑے ہی عرصہ بعد "مکران" پر قبضہ کرلیا، اور اسکے
مسلمان گورنر کو قتل کرڈالا، اس میں سندھ کی حکومت غیر جانبدار نہیں سمجھی گئی،
اس لیے جب مکران کی بازیابی کے لیے محمد بن ہارون کی ماتحتی میں ایک فوجی
دستہ بھیجا گیا تو اس نے علافیوں کو شکست دیکر بھگادیا، اور ان کی تلاش
میں حدود سندھ میں بھی داخل ہوکر "قندابیل" فتح کرلیا[1]، ادھر شکست خوردہ
علافی گروہ پھر سندھ میں "ارور" کے مقام پر آکر پناہ گزیں ہوگیا، ان کا پناہ
دینا گویا سندھ کی حکومت کی طرف سے عربوں کے لیے کھلا چیلنج تھا، اب
صورت حال ایسی پیدا ہوگئی تھی کہ ثغر الہند کی حفاظت کے لیے عربوں نے
ایک مستقل گورنر مقرر کردیا[2]،

اس درمیان میں عربوں کے تجارتی قافلوں پر سندھ کے سواحل سے
وقتاً فوقتاً تاخت کا سلسلہ ہنوز جاری تھا، اموی حکومت نے مسلسل احتجاج
کیا اور سندھی حکمرانوں کو اس کی طرف توجہ دلائی، مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا،

[1] فتوح البلدان، ص ۴۲۳-۴۳۰، مصر ۱۹۲۳ء [2] عبدالحی: نزہۃ الخواطر، ج ۱ ص ۱۳-۱۴
حیدرآباد ۱۹۴۷ء طبع دوم - عرب رول ان سندھ - ص ۱۹۲، اسلامک کلچر، حیدرآباد، اپریل ۱۹۲۷ء

عربوں کی بحری تجارت میں کسی قسم کی رخنہ اندازی ان کے معاشی نظام کو درہم برہم کرنا تھا، کیونکہ اس تجارت پر ان کے مستقبل کے تجارتی فروغ کا دار و مدار تھا، اور اب ایسے حالات پیدا ہو چکے تھے کہ بحر ہند کا یہ علاقہ عالمی تجارتی شاہ راہ کی جگہ لینے والا تھا،

ابھی تک عربوں نے سندھ کی حکومت سے براہ راست تعرض نہیں کیا تھا، اور ان کا ارادہ سندھ پر قبضہ یا کسی قسم کے لوٹ مار کرنے کا نہیں تھا، لوٹ کھسوٹ کا جذبہ ان جگہوں کے لیے پیدا ہوتا ہے جہاں دولت کی فراوانی اور سامان معیشت کی بہتات ہوتی ہے، اور سندھ کا علاقہ حکیم بن جبلہ کی رپورٹ کے مطابق اس زمانہ میں مرفہ الحال نہیں تھا، کاشت کی کمی تھی، بنجر علاقے بہت زیادہ تھے، رس بھرے اور شیریں پھل کمیاب تھے، چنانچہ حکیم کا اندازہ تھا کہ اگر ایک بڑی فوج سندھ میں اتاری جائے تو اسے بھوکوں مرنا پڑے گا[1]، اس لیے قزاقوں کی سینہ زوری اور حملوں کی بنا پر بحری تجارت بھی کمزور رہی ہوگی، مشہور مورخ ایشوری پرشاد کا بھی اندازہ ہے کہ سندھ ان دنوں مالی اعتبار سے بہت اچھی حالت میں نہیں تھا، سرسبزی و شادابی کی جگہ ریگستانی علاقے پھیلے ہوئے تھے[2]،

ان حالات میں عربوں کو کیا طمع ہو سکتی تھی کہ وہ جنگ و جدل کا خطرہ مول لیتے اور سندھ پر قبضہ کرنے کا ارادہ کرتے، بلکہ وہ ہندوستان اور سندھ سے

---

[1] بلاذری: فتوح البلدان ص ۱۲۰؛ علی بن حامد کوفی: چچ نامہ ص ۳۱ الف، قلمی نمبر ۵۹۷ بانکی پور لائبریری پٹنہ [2] ایشوری پرشاد: ہسٹری آف میڈیا ول انڈیا ص ۶۶

دوستانہ تعلقات کے خواہاں تھے اور تجارتی روابط بڑھانا چاہتے تھے۔ مگر جب تھوڑے ہی دنوں کے بعد عربوں کے ایک بڑے قافلے کے لوٹے جانے کی اطلاع دارالخلافہ پہنچی جس میں عرب عورتوں اور بچوں کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی تو اموی حکومت کے لیے خاموش رہنا مشکل ہو گیا۔ اور عراق کے گورنر حجاج بن یوسف نے ایک احتجاجی مراسلہ حاکم سندھ داہر کو لکھا اور بحری قزاقوں کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کی فہمائش کی۔ لیکن داہر نے اس سے معذوری کا اظہار اور اس سلسلے میں کسی قسم کی کارروائی سے اجتناب کیا[1]۔ اس کے بعد عربوں کے لیے سندھ کا خطہ نہ صرف ایک دشمن ملک کی صورت اختیار کر گیا بلکہ فوجی اور تجارتی نقطۂ نگاہ سے اس پر بالادستی ان کے لیے ضروری ہو گئی۔ سندھ عربوں کی وسیع سلطنت اور برصغیر ہند کے درمیان ایک سرحد کی حیثیت رکھتا تھا اس پر بالادستی کے بعد عربوں کی پوزیشن بیرونی حملوں سے بہت محفوظ ہو جاتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ بحر عرب پر بھی اپنی بالادستی قائم رکھ سکتے تھے۔ اس لیے حجاج بن یوسف نے جوان سال اور اولوالعزم سپہ سالار محمد بن قاسم کو سندھ پر اقتدار قائم کرنے کے لیے ہند کی طرف روانہ کیا[2]۔ اس نے اپنی جنگی لیاقت اور حسن تدبیر سے چند برسوں کے اندر پورا سندھ فتح کر کے اسلامی مملکت میں شامل کر لیا۔ محمد بن قاسم کا مقصد صرف ملک فتح کرنا اور اس کی دولت لوٹ کر لے جانا نہیں تھا۔ بلکہ سندھیوں کے دلوں کو فتح کرنا تھا۔ اس لئے اس نے ان کے ساتھ عزت کا برتاؤ کیا۔ ان کے مذہبی امور میں کسی قسم کی

---

[1] بلاذری: فتوح البلدان ص ۴۳۴ - ۴۳۷

[2] بلاذری: فتوح البلدان ص ۴۳۴ - ۴۳۷

مداخلت نہیں کی۔ برہمنوں کی دینی برتری کو باقی رکھا۔ اور مقامی لوگوں کو حکومت میں شریک کیا اور داہر کے دو وزیروں کو اپنا مشیر خاص بنایا تاکہ عوام کی فلاح و بہبود کا زیادہ سے زیادہ کام کیا جا سکے۔ زرعی اصلاحیں اور سماجی مساوات قائم کی، سیاسی استبداد کے چنگل سے عوام کو نجات دلائی۔[1] اس سے سندھ کے عوام میں اسکی ایسی عقیدت پیدا ہو گئی کہ اہل کیرج[2] نے اس کی واپسی پر اس کا مجسمہ بنا کر اپنی عقیدت کے پھول چڑھائے۔[3] تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے کہ ایک دشمن ملک کے عوام نے غیر ملکی فاتح کو اس طرح کا نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہو۔

اس زمانہ میں سندھ مختلف چھوٹی چھوٹی باجگذار ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ سندھ کی مشرقی سرحد پر بھی ہندوستان میں چند باجگذار ریاستیں تھیں، انہی میں کیرج کی ریاست بھی تھی داہر کی شکست کے بعد ان ریاستوں کے حکمراں مختلف اطراف میں ہندوستان کے اندرونی علاقوں میں بھاگ گئے تھے۔ مگر ان کی کوششیں برابر جاری رہیں کہ وہ کسی طرح اپنی کھوئی ہوئی سیاسی طاقت بحال کرلیں۔ سندھ سے ملحقہ ہندوستانی ریاستوں کے راجگان کی طرف سے ان شکست خوردہ راجاؤں کی برابر ہمت افزائی بھی ہوتی رہتی تھی۔ کیونکہ مسلمانوں کے سندھ تک پہنچ جانے سے انھیں دشمن دروازے پر دستک دیتا نظر آرہا تھا۔ اسی لئے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان سرحد پر معمولی جھڑپوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ ادھر اسلامی مملکت میں پے بہ پے خلفاء

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے پروفیسر محمد حبیب کا مضمون دی عرب کنکولسٹ آف سندھ اسلامک کلچر ج ۱۳، جنوری، اکتوبر ۱۹۲۹ء [2] کیرج راجستھان کا ایک علاقہ ہے دیکھئے ص ۱۳۔ [3] بلاذری: فتوح البلدان، ص ۴۲۶ - ۴۲۸۔

بدلتے رہے جس سے اندرونی خلفشار اور سیاسی رسہ کشی بڑھ گئی، صوبائی گورنروں اور اس کے متعلقہ ریاستوں کے عمال نے مرکزی اقتدار کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ سندھ اور دیگر ہندوستانی ریاستوں میں محمد بن قاسم کی معزولی، موت اور اسلامی ریاستوں میں انتشار کی خبریں مل چکی تھیں، اس سے یہاں کے راجاؤں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اموی حکومت کے باغیوں کی اچھی تعداد سندھ کے علاقے میں آباد تھی، جو اموی اقتدار کو کمزور کرنے کے لیے مقامی راجاؤں کو مدد پہونچا رہے تھے۔ ایسی صورت حال میں اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے یہ پالیسی اختیار کی کہ نو مسلم مقامی اشخاص کو حکومت کی ذمہ داری سونپ دی جائے کہ وہ اپنے علاقوں کی خود نگرانی کریں۔ چنانچہ سندھ کے سابق حکمران "داہر کے بیٹے" جے سنگھ کو جو مسلمان ہو چکا تھا۔ سندھ کی گورنری عطا ہوئی۔[1] بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پالیسی نے اہل ہند کی نظر میں اموی حکومت کے براہ راست کنٹرول کو اور بھی کمزور کر دیا۔ چنانچہ سندھی ور دیگر ہندوستانی راجاؤں نے اپنی شکست کی تلافی کے لئے از سر نو شیرازہ بندی شروع کر دی اور یہاں کے وہ راجے بھی جن کی سرحدی مخاصمت مسلمانوں سے بہت پہلے سے چلی آتی تھی۔ سندھ پر چڑھ دوڑنے کے لیے پر تولنے لگے۔ اور سندھ کی اسلامی حکومت کو اکھاڑ پھینکنے کے منصوبے بن رہے تھے کہ اموی خاندان کے ایک مدبر خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے زمام حکومت سنبھالی۔

[1] بلاذری: فتوح البلدان، ص ۴۲۸، مصر ۱۹۳۲ء

خلیفہ ہشام کی سندھ سے خصوصی توجہ کے اسباب

ہشام بن عبد الملک ایک اولو العزم حکمراں تھا۔ اس کا شمار عرب کے مدبر حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ خاندان بنی امیہ میں حضرت معاویہؓ اور عبد الملک کے بعد اس کو اموی حکومت کی پرشکوہ عمارت کا تیسرا اہم ستون سمجھا جاتا ہے۔[۱] اس نے جب یورپ سے محاذ آرائی کی زمام اپنے ہاتھوں میں لی تو ایسی جنگی اسٹرائیجی کو کام میں لایا کہ نامور یورپین مورخ گبن بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ ان دنوں یورپ دو شعلوں کے مابین گھرا ہوا تھا۔ اور اگر فرانس میں [۲] ٹور کی جنگ مسلمانوں نے جیت لی ہوتی تو لوگ کیمبرج اور آکسفورڈ میں قرآن و حدیث کا درس ہوتا ہوا دیکھتے۔[۳]

ہشام نے جس وقت تخت خلافت پر قدم رکھا اس وقت اس کے حدود مغرب میں شمالی افریقہ سے لیکر فرانس تک اور مشرق میں ماوراء النہر اور سندھ کی وادیوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ خراسان میں ترکوں سے ایشیائے کوچک میں رومیوں سے جنگ افریقہ میں بربروں سے یورپ میں فرانسیسیوں سے اور سندھ میں ہندوؤں سے جنگ کا سلسلہ جاری تھا۔ اسی زمانہ میں اسکے بھائی یزید بن عبد الملک کی کمزوریوں نے ملکی نظام میں بھی خلل پڑ گیا تھا۔ اندرون ملک میں بھی بغاوتوں اور شورشوں کا سلسلہ سا چل رہا تھا۔ اور سرحد پر بیرونی حملوں کا خطرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ مفتوحہ ممالک کے بعض دور دراز

---

[۱] المسعودی: مروج الذہب، جلد ۳، ص ۲۲۳، مصر ۱۹۴۸ء

[۲] ٹور (Tour) وسطی فرانس کا ایک شہر ہے۔

[۳] ڈلہوزی۔ عرب کنگڈم اینڈ اٹس فال، ص ۳۴۲، کلکتہ ۱۹۲۷ء

علاقے حکومت کے کنٹرول سے نکلتے جا رہے تھے۔ عمال اور گورنروں کی من مانی کارروائیوں کی رپورٹیں بھی موصول ہو رہی تھیں۔ ایسے سنگین حالات میں اسقدر وسیع مملکت کے نظام کو سنبھالنے کیلئے بڑی سوجھ بوجھ کی ضرورت تھی چنانچہ ہشام نے ان مشکل مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے اپنی سیاسی پالیسی کے کچھ خطوط وضع کیے اور ان پر پوری سختی سے کاربند ہوا۔ آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ اس کی یہ پالیسی بڑی حد تک کامیاب رہی۔

ہشام کے زمانہ میں سندھ عراق کی وائسرائلٹی کا ایک چھوٹا سا صوبہ تھا۔ جہاں عراق کے والی کی ماتحتی میں ایک گورنر حکومت کرتا تھا۔

ہشام کی سب سے مقدم سیاسی پالیسی گورنروں کی صوبائی خود مختاری کو ختم کر کے مرکزی اقتدار کے تحت کرنا تھا۔ اسلئے اس نے ایسا نظام حکومت بنایا کہ جو ظاہری طور پر وفاقی (Federal) ہوتے ہوئے بھی وحدانی طریقۂ کار (Unitory) کا حامل ہوا۔ ہشام سے قبل حکومت کی بنیاد قبائلی طاقت پر منحصر تھی۔ اموی خلفاء خود بھی سب سے بڑی سیاسی پارٹی بنی امیہ کا ایک فرد ہوتے تھے۔ اور دوسرے گروہوں سے مفاہمت اور جوڑ توڑ سے حکومت کا نظام چلاتے تھے۔ یہاں تک کہ فوج میں بھی قبیلوں کی تفریق ہوا کرتی تھی۔ طاقت در قبیلہ کی بات چلتی تھی۔ ہشام نے حکمت عملی سے اس کو توڑ دیا۔ کیونکہ اس میں قائدین اور مختلف ریاستوں کے عاملوں اور گورنروں کی خود مختاری کا خطرہ تھا۔

چنانچہ خراسان کے مشہور اسلامی سپہ سالار مسلم بن قتیبہ نے ہشام سے پہلے یزید بن عبد الملک کے عہد میں اس سے اختلاف کی بناء پر ایسے خیالات

ظاہر کیے تھے، جس سے خود مختاری کی بو آتی تھی۔ سندھ میں آل مہلب کا حال بھی اسی قسم کا تھا۔ اس لیے ہشام کی یہ سیاسی پالیسی اسلامی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس نے اس خطرے کو اپنی دوربین نگاہ سے بہت پہلے دیکھ لیا تھا۔ جو عباسی عہد میں طوائف الملوکی کی شکل میں رونما ہوا تھا، اور اس کو اس کا اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر مرکزی اقتدار کو پورے طور پر نافذ نہ کیا گیا تو اتنی وسیع و عریض مملکت طوائف الملوکی کا شکار ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے اپنی پسند اور کنٹرول کے گورنروں کو مختلف صوبوں میں بحال کرنا شروع کیا اس سلسلے میں بعض گورنروں کی معزولی بھی عمل میں آئی۔ جنید بن عبدالرحمٰن المغربی کا سندھ پر تقرر اسی پالیسی کے نفاذ کی کڑی تھی۔ جب جنید بحیثیت گورنر سندھ پہونچا تو جے سنگھ جو مسلمان ہو چکا تھا۔ سندھ کی حکومت سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں ہوا۔ براہ راست ہاتھ میں لینا چاہتا تھا۔ اس لیے ۷۲۶ء میں جنید اور جے سنگھ (علی شاہ) کے درمیان جنگ ہوئی جس میں جے سنگھ جنگ میں کام آیا،[1]

ہشام کا دوسرا اہم مقصد اسلامی مملکت کے تحفظ و بقا کے لیے اس پر مکمل کنٹرول تھا جس لیے اس نے دو صورتیں اختیار کیں۔

(۱) اندرونی بغاوتوں اور شورشوں کا مکمل سد باب تاکہ حکومت کی مشینری معطل نہ ہو اور مرکزی اقتدار پوری طرح قائم رہے۔

(۲) بیرونی خطرات کا مقابلہ کر کے مخالف طاقتوں کو ان کے علاقوں میں ہی روک دیا جائے۔ اور وہ اسلامی حدود پر تاخت نہ کر سکیں، اس سلسلہ میں

[1] بلاذری: فتوح البلدان ص ۴۴۵، الیعقوبی، تاریخ الاسلام ج ۳ ص ۱۵،۱۴۔

قریب قریب سبھی اہم سرحدی ناکوں پر جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔[2]

تیسرا اہم مقصد حکومت کے مالیاتی نظام کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنا تھا۔ کیونکہ پچھلے حکمرانوں کی کمزوریوں کی بنا پر اندرونی خلفشار اور بیرونی ممالک سے مسلسل جنگوں سے مالیاتی نظام پر بڑا اثر پڑا تھا، چنانچہ زراعت و تجارت دونوں کے فروغ کی اسکیمیں بروئے کار لائی گئیں۔[3] عالمی تجارتی رابطے قائم کیے گئے۔ اس سلسلہ میں ہند و چین سے تجارتی روابط کو بڑھانے کی طرف سب سے زیادہ توجہ کی گئی۔ چین سے تجارتی تعلقات استوار کرنے کے لیے متعدد سفارتیں بھیجی گئیں۔[4] صغدیوں پر جنھوں نے نہ صرف چین اور مغرب کے درمیان ہونے والی تجارت پر اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔[5] بلکہ عربوں سے ماوراء النہر کے علاقے میں برسرپیکار رہا کرتے تھے۔ مکمل غلبہ حاصل کر لیا گیا۔[6]
اس کا مقصد یہ تھا کہ قدیم عالمی تجارتی شاہ راہ (SILK R) جو چین سے ہو کر بلاد روم کو جاتی تھی۔ وہ عربوں کے لیے بھی کھول دی جائے اور اسلامی حکومت اس راستہ کی حفاظت کی ذمہ دار بن جائے، اسی طرح ہندوستان سے بھی زیادہ سے زیادہ تجارتی روابط کو فروغ دینے کی شکلیں اختیار کی گئیں، چنانچہ سندھ کی فتح کے بھی دکھنی ہندوستان سے تجارتی لین دین کا

[2] تفصیل کے لیے دیکھیے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ مقالہ ہشام بن عبدالملک ہز لائف اینڈ ٹائم از ڈاکٹر عبدالباری پٹنہ یونیورسٹی۔ ۱۹۶۸ء۔ [3] ایضاً۔ [4] بدر الدین چینی، چین و عرب کے تعلقات اور ان کے نتائج، ص ۹۹، ۲ کراچی۔ ۱۹۴۹ء۔ [5] ڈی۔ ڈی بارتھولڈ: فور اسٹڈیز آن سنٹرل ایشیا، جلد اص، لندن ۱۹۵۶ء۔ [6] ہشام بن عبدالملک ہز لائف اینڈ ٹائم ڈاکٹر محمد عبدالباری ص ۱۳۱، ۱۳۲، پٹنہ یونیورسٹی۔ ۱۹۶۸ء

سلسلہ اس طرح جاری رہا۔ جس طرح طلوع اسلام کے وقت شروع ہوا تھا۔
اس تجارت کو فروغ دینے اور بیرونی خطرات کے مکمل انسداد کے لیے سندھ پر مکمل اقتدار اور زیادہ ضروری ہوگیا تھا۔

چوتھا اہم مقصد دین اسلام کی تبلیغ کو بروے کار لانا تھا۔ تاکہ انسانی برادری کو عالمی پیمانے پر اسلام کے منصفانہ نظام سے قریب تر لایا جائے۔ انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلاکر ایک ازلی آقا کی بندگی میں داخل کردیا جائے۔ دنیا کی مختلف قوموں کے سامنے ایک ایسا نظام حیات پیش کیا جائے۔ جو انسانی مساوات داخوت کی عملی تعلیم دیتا ہو اور پوری انسانیت کے لیے رنگ، نسل، زبان، اور علاقہ کی تفریق سے بالاتر ہوکر فلاح وبہبود کا ضامن ہو۔ ہندوستانی اقوام کو بھی اسلامی تبلیغ کے مروجہ طریقوں کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ اسلام کے اخلاقی اقدار اور طریقہ حیات سے روشناس کرانے کی کوشش کی گئی، بلاشبہ سندھ میں اسلامی حکومت کا وجود اور مسلمانوں کا بود وباش اختیار کرنا بھی ہندی اقوام کے لیے مسلمانوں کے طرز رہائش۔ ان کے معتقدات اور سماجی معاملات کو قریب سے مشاہدہ کرنے کا ایک ذریعہ بن گیا۔ سندھ میں اہل ہند اور عرب قوموں کے اختلاط نے اسلامی تبلیغ کا ایک بڑا کام انجام دیا۔

آئیے اب ہم ہشام کی مذکورہ پالیسیوں کے نفاذ میں صوبہ سندھ کی صورت حال کا جائزہ لیں۔　　(باقی)

حدیث کا درایتی معیار

(داخلی نقد حدیث)

از
ازجناب مولانا محمد تقی صاحب امینی ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۵)

رسول اللہ کی طرف منسوب حدیث قرآن وسنت کے قواعد کے خلاف ہو

(۲۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب حدیث ان عام قواعد کے خلاف ہو جو قرآن وسنت سے مستنبط کیے گئے ہیں۔

او یکون مخالفا للقواعد العامۃ الماخوذۃ من القرآن والسنۃ[1]

یا حدیث قواعد عامہ کے مخالف ہو جو قرآن وسنت سے نکالے گئے ہیں۔

اس اصول کے تحت موضوع حدیثیں

اس اصول کے تحت درج ذیل قسم کی روایتیں موضوع قرار پائیں گی۔

ان الرجل لیکون من اھل

انسان نمازی ہوتا ہے اور جہاد کرتا ہے

[1] مصطفی سباعی: السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی علامات الوضع فی المتن۔

الصلوٰۃ والجہاد وما یجزی الاقدر عقلہ[1]

لیکن بدلہ اس کو عقل کی مقدار پر ملے گا۔

لاصلوٰۃ لمن علیہ صلوٰۃ[2]

اس شخص کی نماز نہیں ہوئی جس کی کوئی نماز رہ گئی ہو۔

من قضی صلوات من الفرائض فی آخر جمعۃ من رمضان کان ذالک جابراً لکل صلوٰۃ فائتۃ فی عمرہ الی سبعین سنۃ[3]

رمضان کے آخری جمعہ میں جس نے چند قضا فرائض ادا کر لیے تو اس سے پچھلے ستر سال کی قضا نمازوں کی تلافی ہو جائیگی

الصلوٰۃ علی النبی افضل من عتق الرقاب[4]

رسول اللہؐ پر درود بھیجنا غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں

سئلت النبی علیہ السلام عن علم الباطن ماھو فقال سئلت جبرئیل عنہ فقال عن اللہ ھو سر بینی وبین احبائی و اولیائی و اصفیائی اودعہ فی قلوبھم لایطلع علیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل[5]

میں نے رسول اللہؐ سے علم باطن کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے اسکے بارے میں حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا تھا، انھوں نے اللہ کی طرف سے جواب دیا کہ وہ میرے، میرے احباب، میرے اولیاء و اصفیا کے درمیان ایک راز ہے جسکو انکے دل میں ودیعت کیا گیا ہے، اسکی اطلاع نہ مقرب فرشتہ کو ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو ہے۔

---

[1] المنار المنیف فصل ۵ [2] ایضاً فصل ۴ [3] السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی علامات الوضع فی المتن [4] موضوعات کبیر ص۴۴ [5] ایضاً ص۴۸

اذا جلس المتعلم بین یدی العالم فتح اللہ علیہ سبعین بابا من الرحمۃ ولا یقوم من عندہ الا کیوم ولدتہ امہ واعطاہ اللہ بکل حرف ثواب ستین شہرا وکتب اللہ بکل حدیث عبادۃ سنۃ[1]

جب کوئی طالب علم عالم کے سامنے بیٹھتا ہے تو اللہ اس پر رحمت کے ستر دروازے کھول دیتا ہے اور وہ اس کے پاس سے اسقدر گناہوں سے پاک و صاف ہو کر اٹھتا ہے کہ گویا اسکی ماں نے اب پیدا کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر حرف کے بدلہ ساٹھ ماہ کا ثواب دیتا ہے اور ہر حدیث کے بدلہ اس [illegible] ایک سال کی عبادت لکھی جاتی ہے۔

الصلوٰۃ خلف العالم باربعۃ الاف واربعمائۃ واربعین صلوٰۃ[2]

عالم کے پیچھے نماز چار ہزار چار سو چالیس نمازوں کے برابر ہے۔

رسول اللہ کی طرف منسوب حدیث میں پیشنگوئی ماہ اور سن کے تعین کے ساتھ ہو

(۲۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب حدیث میں آیندہ واقعات کی ایسی پیشنگوئی جو ماہ اور سن کے تعین کے ساتھ ہو۔

ان یکون فی الحدیث تاریخ کذا وکذا[3]

حدیث میں فلاں فلاں تاریخ ہو۔

دوسری جگہ ہے:۔

ومنہا احادیث التواریخ المستقبلۃ[4]

یعنی جن حدیثوں میں مستقبل کی تاریخیں متعین ہوں

اس اصول کے تحت موضوع روایتیں

اس اصول کے تحت درج ذیل قسم کی روایتیں موضوع قرار پائیں گی۔

---

[1] تذکرۃ الموضوعات فضل العالم العامل [2] المنار المنیف فصل ۱۳ [3] موضوعات کبیر ص۱۴۱

اذا انكسف القمر في المحرم كان
الغلاء والقتال وشغل السلطان
واذا انكسف في صفر كان
كذا وكذا[1]

جب محرم میں چاند گہن ہو تو گرانی ہوگی، قتل وقتال ہوگا اور بادشاہ (حکومت) پریشان رہے گا اور جب صفر میں چاند گہن ہو تو ایسا اور ایسا ہوگا۔

تكون في رمضان هدة توقظ
النائم وتقعد القائم وتخرج
العواتق من خدورها وفي
شوال همهمة وفي ذي القعدة
تميز القبائل بعضها الى
بعض وفي ذي الحجة تراق
الدماء وفي المحرم امر عظيم
وهو عند انقطاع ملك
هؤلاء قالوا يا رسول الله
من هم الذين يكونون في
ذلك الزمان[2]

رمضان میں ایک "چیخ" ہوگی جو سونے والے کو جگا دیگی، کھڑے ہونے والے کو بٹھا دیگی اور کنواریوں کو خلوت گاہ سے نکال دیگی، شوال میں دنگے اور ہاتھا (وغیرہ کی) جنگھاڑ ہوگی، ذیقعدہ میں قبائل کی باہمی تمیز ہوگی، ذی الحجہ میں خون بہایا جائیگا اور محرم میں بڑا حادثہ ان لوگوں کی حکومت کے خاتمہ پر ہوگا، تو لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول! کون لوگ، آپ نے فرمایا جو اس زمانہ میں ہونگے۔

عند رأس مئة يبعث الله
ريحا باردة يقبض الله
فيها روح كل مومن[3]

سو سال پر اللہ تعالیٰ ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جس میں ہر مومن کی روح کو قبض کرلے گا۔

---

[1] موضوعات کبیر ص ۱۱۲ [2] جلال الدین سیوطی: اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ کتاب الفتن [3] ایضاً کتاب الفتن۔

اذا كانت سنة ستين ومئة
كان الغرباء اربعة قرآن في
جوف ظالم ومصحف في بيت
قوم لا يقرأ فيه ومسجد في
نادي قوم لا يصلون ورجل
صالح بين قوم سوء[1]

سنہ ایک سو ساٹھ میں چار چیزیں اجنبی ہو جائیں گی (۱) قرآن ظالم کے پیٹ میں (۲) مصحف قوم کے گھر میں کہ اس میں پڑھا نہ جائیگا (۳) مسجد قوم کی مجلس میں کہ وہ نماز نہ پڑھیں گے اور (۴) صالح آدمی برے لوگوں میں۔

انا واصحابي اهل ايمان وعمل
الى اربعين واهل بر وتقوى
الى الثمانين واهل تواصل و
تراحم الى العشرين ومائة
واهل تقاطع وتدابر الى
الستين ومائة ثم الهرج
الهرج الهرب[2]

میں اور میرے اصحاب چالیس سال تک ایمان وعمل والے ہوں گے، اسّی سال تک نیکی وتقویٰ والے، ایک سو بیس سال تک باہمی صلہ رحمی ومحبت والے اور ایک سو ساٹھ سال تک قطع تعلق ونفرت والے، پھر اضطراب وبے چینی ہوگی۔

اس طرح کی اور بھی باتیں ہیں، مثلاً

اذا كان سنة كذا وكذا
وقع كيت وكيت واذا كان
شهر كذا وكذا وقع كيت وكيت[3]

جب فلاں فلاں سنہ ہوگا تو ایسا ایسا ہوگا اور فلاں فلاں مہینہ ہوگا تو ایسا ویسا ہوگا۔

---

[1] ابن جوزی کتاب الموضوعات ج ۳ کتاب الفتن ص ۱۹۶ [2] سیوطی: اللآلی المصنوعہ کتاب الفتن [3] المنار المنیف فصل ۱۳

رسول اللہؐ کی طرف منسوب حدیث میں چھوٹے کام پر بڑے بھاری ثواب کی بشارت

(۲۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب حدیث میں چھوٹے کام پر بڑے بھاری ثواب کی بشارت ہو

اشتمال الحدیث علی افراط فی الثواب العظیم علی الفعل الصغیر[1]

حدیث میں چھوٹے کام پر ثواب عظیم کی افراط ہو۔

علامہ سخاویؒ کہتے ہیں :-

یتضمن الافراط بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر[2]

حدیث معمولی کام پر بڑے وعدہ کی افراط پر مشتمل ہو۔

اس اصول کے تحت موضوع روایتیں

اس اصول کے تحت درج ذیل قسم کی روایتیں موضوع قرار پائیں گی :-

من اغتسل یوم الجمعة بنیة حسبة کتب اللہ بکل شعرة نوراً یوم القیمة ورفع اللہ له بکل قطرة درجة فی الجنة من الدر والیاقوت والزبرجد بین کل درجتین مسیرة مائة عام[3]

جس نے جمعہ کے دن طالب ثواب کی نیت سے غسل کیا، اللہ تعالیٰ ہر بال کے بدلہ قیامت کے دن "نور" لکھے گا اور ہر قطرہ کے بدلہ جنت میں موتی، یاقوت اور زمرد کے درجات بلند کرے گا، جس کے ہر دو درجہ کے درمیان سو سال کی مسافت ہوگی۔

[1] مصطفی سباعی: السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی علامات الوضع فی المتن [2] علامہ سخاوی: فتح المغیث شرح الفیة الحدیث الموضوع [3] ملا علی قاری: موضوعات کبیر ص ۱۱۰

من صلی الضحی کذا وکذا رکعة اعطی ثواب سبعین نبیاً[1]

جس شخص نے چاشت کی اتنی اتنی رکعتیں پڑھیں اسکو ستر نبیوں کا ثواب دیا جائیگا۔

من تعلم القرآن وحفظه ادخله اللہ الجنة وشفعه فی عشرة من اهل بیته کل قد اوجب النار[2]

جس شخص نے قرآن سیکھا اور اس کو یاد رکھا، اللہ اس کو جنت میں داخل کریگا اور ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اسکی سفارش قبول کیجائیگی جس پر دوزخ واجب ہو چکی ہے۔

لو یعلم الامیر ماله فی ذکر اللہ لترک امارته ولو یعلم التاجر ماله فی ذکر اللہ لترک تجارته ولو ان ثواب تسبیحه قسم علی اهل الارض لاصاب کل واحد منهم عشرة اضعاف الدنیا[3]

اگر امیر جانتا کہ اللہ کے ذکر میں کسقدر ثواب ہے تو وہ اپنی امارت چھوڑ دیتا اگر تاجر جانتا کہ اللہ کے ذکر میں کسقدر ثواب ہے تو وہ اپنی تجارت چھوڑ دیتا اگر ایک تسبیح کا ثواب زمین والوں پر تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کو ان میں سے دنیا کے دس گنے کے برابر پہنچے۔

من صلی الفجر فی جماعة فکانما حج خمسین حجة مع آدم[4]

جس نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو اس نے گویا حضرت آدمؑ کے ساتھ پچاس حج کیے۔

[1] ملا علی قاری: موضوعات کبیر ص ۱۱۰ [2] قاضی شوکانی: الفوائد المجموعة کتاب فضائل القرآن [3] محمد طاہر پٹنی: تذکرة الموضوعات فضل الذکر الخ [4] ایضاً کتاب الصلوٰة۔

من قال لا اله الا الله ومدها هدمت له اربعة آلاف ذنب من الكبائر[1]

جس نے مد کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا اس کے چار ہزار کبائر گناہ معاف کیے جاتے ہیں،

یہ اور اس قسم کی بہت سی روایتیں صوفیاء و واعظین نقل کرتے رہتے ہیں جو خارجی نقد (روایتی) کے لحاظ سے بھی موضوع ہیں،

رسول اللہ کی طرف منسوب حدیث میں جھوٹی بات پر سخت وعید کا مبالغہ ہو

(۲۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب حدیث میں جھوٹی بات پر سخت وعید کا مبالغہ ہو،

اشتمال الحديث على المبالغة بالوعيد الشديد على الامر الحقير[2]

حدیث امر حقیر پر مبالغہ آمیز سخت وعید پر مشتمل ہو

علامہ سخاوی کہتے ہیں:

يتضمن الافراط بالوعيد الشديد على الامر اليسير[3]

حدیث میں چھوٹے کام پر سخت وعید کی افراط ہو۔

اس اصول کے تحت موضوع روایتیں

اس اصول کے تحت درج ذیل قسم کی روایتیں موضوع قرار پائیں گی،

من نظر الى عورة اخيه المسلم متعمدا لم يقبل الله صلوته اربعين يوما[4]

جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کی شرمگاہ کی طرف قصداً دیکھا تو اللہ چالیس دن تک اسکی نماز نہ قبول کریگا۔

---

[1] تذکرۃ الموضوعات فصل الذکر [2] مصطفیٰ سباعی: السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی علامات الوضع فی المتن [3] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث الموضوع [4] قاضی شوکانی: الفوائد المجموعہ کتاب الحدود

ما من رجل يدخل بصره في منزل قوم الا قال الملك الموكل به اف لك آذيت وعصيت ثم يوقد النار عليه الى يوم القيمة[1]

کوئی شخص کسی کے گھر میں دیکھتا ہے تو اس کا متعین فرشتہ کہتا ہے کہ تجھ پر اف ہے تونے تکلیف دی اور نافرمانی کی پھر قیامت تک اس پر آگ بھڑکائی جاتی رہے گی،

من قرض بيت شعر بعد العشاء الآخرة لم تقبل له صلوة تلك الليلة[2]

جس شخص نے عشاء کے بعد کوئی شعر کہا تو اس کی اس رات کی کوئی نماز نہ قبول ہوگی،

سب اصحابي ذنب لا يغفر[3]

میرے اصحاب کو گالی دینا ایسا گناہ ہے جس کی مغفرت نہیں ہے،

من تكلم بكلام الدنيا في المسجد احبط الله اعماله اربعين سنة[4]

جس شخص نے مسجد میں دنیوی بات کی تو اس کے چالیس سال کے اعمال ضائع ہوجائیں گے،

من تواضع لغني لاجل غناه ذهب ثلثا دينه[5]

جس نے مالدار کے مال کی وجہ سے اس کے سامنے خاکساری دکھائی تو اس کا دو ثلث دین رخصت ہوگیا،

---

[1] قاضی شوکانی: الفوائد المجموعہ کتاب الحدود [2] جلال الدین السیوطی: اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ کتاب العلم [3] موضوعات کبیر حرف السین [4] و [5] موضوعات کبیر حرف المیم،

من لعب بالشطرنج والناظر الیها کآکل لحم الخنزیر[۱]

جو شطرنج کھیلے اور جو اس کی طرف دیکھے وہ خنزیر کھانے والے کے مثل ہیں،

اس باب میں بھی بہت سی روایتیں واعظین وصوفیا نقل کرتے رہتے ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں ہے بعض روایتیں تو اس قدر مضحکہ خیز ہیں کہ انسان کو اللہ کی صفت رحمت پر شک ہونے لگتا ہے، اور یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ بھی ظالم فرمانروا کی طرح معمولی قصور پر سخت قسم کی سزا دیتا ہے،

رسول اللہ کی طرف منسوب حدیث میں مفاد، عصبیت اور اختلاف کو دخل ہو،

حدیث روایت کرنے میں کوئی مفاد، گروہی عصبیت دین ومسلک کے اختلاف کو دخل ہو، اس کا ثبوت درج ذیل عبارتوں سے مستنبط ہوتا ہے۔

الا یکون ناشیًا عن باعث نفسی حمل الراوی علی روایته[۲]

کوئی ذاتی محرک راوی کو روایت پر ابھارنے والا نہ ہو۔

موافقة الحدیث لمذهب الراوی وهو متعصب مغال فی تعصبه[۳]

حدیث راوی کے مسلک کے موافق ہو اور وہ اپنے مسلک میں انتہائی درجہ کا متعصب ہو،

ان یکون الحدیث خبرًا عن امر جسیم تتوفر الدواعی

حدیث میں کسی بڑے کام کی خبر ہو جس کے نقل کرنے کے دواعی زیادہ

۱؎ موضوعات کبیر حرف الجیم ۲؎ السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی قواعد النقد فی السند والمتن، ۳؎ ایضاً علامات الوضع فی المتن،

علی نقله بحضرة الجم الغفیر ثم لا ینقله الا واحد منهم[۱]

ہوں اور جم غفیر کے سامنے بیان ہوئی ہو لیکن ان میں سے صرف ایک راوی نے روایت کیا ہو،

او انفراده ببشیٔ مع کونه فیما یلزم المکلفین علمه وقطع العذر فیه[۲]

راوی کسی ایسی شے کے بیان میں منفرد ہو جس کا علم ہر مکلف کے لئے لازم اور اس میں کسی عذر کی گنجائش نہ ہو۔

بما صرح بتکذیبه فیه جمع کثیر یمتنع فی العادة تواطؤهم علی الکذب وتقلید بعضهم بعضاً[۳]

حدیث میں ایسی بات مذکور ہو جس کے جھوٹ ہونے کی ایک بڑی جماعت نے تصریح کی ہو جس کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا، اور ایک دوسرے کی تقلید کرتے رہنا عادۃً ممتنع ہو،

مفاد کے تحت موضوع روایتیں

(الف) مفاد کے تحت اس قسم کی روایتیں آتی ہیں۔ مثلاً:-

الهریسة تشد الظهر[۴]

حریرہ کمر کو مضبوط کرتا ہے،

۱؎ علی بن محمد کنانی تنزیه الشریعة المرفوعة عن الاخبار الشنیعة الموضوعة، امارات، ۲؎ علامہ سخاوی فتح المغیث شرح الفیة الحدیث۔ الموضوع ۳؎ ایضاً
۴؎ موضوعات کبیر ص ۱۱۵، السنة ومکانتها، قواعد السند والمتن،

اس کا راوی حریرہ کی تجارت کیا کرتا تھا، جس کے فروغ کے لئے یہ حدیث وضع کی گئی،

معلموا صبیانکم شرارکم[1]	تمھارے بچوں کے معلّم تم میں بدترین ہیں،

یہ اس وقت وضع کی گئی جب راوی کا بچہ روتا ہوا آیا، کہ معلّم نے اُس کو مارا ہے،

انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلّم کان یطیر الحمام[2]	رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کبوتر اُڑایا کرتے تھے

یہ اس وقت وضع کی گئی جب کہ ہارون رشید کبوتر اڑاتا تھا، بعض روایتوں میں اسی طرح کا ایک واقعہ خلیفہ مہدی کی طرف منسوب ہے، جس میں اس کی خوشنودی کے لئے اگلی روایت میں لفظ "جناح" اضافہ ہے،

لا سبق الا فی خف او نصل او حافر او جناح[3]	بازی صرف اونٹ، تیر، گھوڑے اور پرندہ میں جائز ہے،

واعظین اور صوفیا ر نے اپنے موقف کی تائید، محفل آرائی اور عزت و شہرت بڑھانے کے لئے بھی بہت سی روایتیں وضع کیں، اور کئی مواعظ رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیئے ہیں، جو موضوعات کی کتابوں میں درج ہیں،[4]

[1] موضوعات کبیر ص ۱۱۵، السنتہ و مکانتہا بحث فوائد السند و المتن، [2] جلال الدین سیوطی: اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ، کتاب الاطعمہ، [3] شاہ عبد العزیز، عجالہ نافعہ خاتمہ؛ [4] ملاحظہ ہو، جلال الدین سیوطی۔ اللآلی المصنوعہ، کتاب المواعظ والوصایا و کتاب الادب والزہد و تذکرۃ الموضوعات، باب القصص و المواعظ وغیرہ،

گروہی عصبیت کے تحت موضوع حدیثیں

(ب) گروہی عصبیت کے تحت اس قسم کی روایتیں آتی ہیں۔ مثلاً، امام ابو حنیفہ کی تعریف میں

ابو حنیفۃ سراج اُمتی،[1]	ابو حنیفہ میری امت کا چراغ ہے،

امام شافعی کی مذمّت میں،

سیکون فی امتی رجل یقال لہٗ محمد بن ادریس ھو اضرّ علی اُمتی من ابلیس،[2]	میری اُمّت میں ایک آدمی ہوگا، جس کا نام محمد بن ادریس شافعی ہو، وہ میری امت کے لئے ابلیس سے زیادہ ضرر رساں ہے، معاذ اللہ!

کسی امام کی تعریف یا مذمّت میں جس قدر روایتیں رسول اللہ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، وہ سب موضوع ہیں،[3]

اسی طرح قبیلہ، خاندان، قرابت پروری، شہر زبان وغیرہ سے متعلق جو روایتیں اوپر گذر چکی ہیں، وہ سب گروہی عصبیت سے وضع کی گئی ہیں،

اختلافِ دین کے تحت موضوع روایتیں

(ج) دین کا اختلاف، ملحد بے دینوں نے اسلام در رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بدنام کرنے اور اُن کا مذاق اُڑانے کے لئے درج ذیل قسم کی روایتیں وضع کیں،

ینزل ربنا عشیۃ عرفۃ علی جمل اورق یصافح	عرفہ کی شام کو اللہ رب العزت خاکستری رنگ کے اونٹ پر نزولِ اجلال فرماتا ہے،

[1] موضوعات کبیر حرف الہمزہ، [2] اللآلی المصنوعہ فوائد متفرقہ، [3] المنار المنیف فصل ۳۰،

الوكبان ويعانق المشاة[1]، — اور سواروں سے مصافحہ اور پیادہ سے معانقہ کرتا ہے،

خلق الله الملائكة من شعر ذراعية وصدره[2]، — اللہ نے فرشتوں کو اپنے بازو و سینہ کے بال سے پیدا کیا،

ان الله اشتكت عيناه فعادته ملائكة[3]، — اللہ کی آنکھیں دُکھ آئیں تو فرشتوں نے عیادت کی،

ان الله لما خلق الحروف سجدت الباء ووقفت الالف[4]، — اللہ نے حروف پیدا کئے تو با نے سجدہ کیا، اور الف کھڑا رہا،

اختلاف مسلک کے تحت موضوع روایتیں

(د) مسلک کا اختلاف جس میں کلامی، فقہی اور سیاسی وغیرہ بھی قسم کے اختلاف شامل ہیں، مثلاً

من زعم ان الايمان يزيد وينقص فزيادته نفاق ونقصانه كفر فان تابوا والا فاضربوا اعناقهم بالسيف اولئك اعداء الرحمن فارقوا دين الله تعالى واستحلوا الكفر وخاصموا الله طهر الله الارض

جنھوں نے کہا کہ ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے تو اس کی زیادتی نفاق اور کمی کفر ہے، اگر توبہ کرلیں تو خیر، ورنہ اُن کی گردن تلوار سے مار دو۔ یہ لوگ رحمٰن کے دشمن ہیں، انھوں نے اللہ کے دین میں تفریق کی، کفر کو حلال اور اللہ سے جھگڑا کیا،

[1] السنة ومكانتها فى التشريع الاسلامى، البواعث التى ادت الى الوضع الخ [2] ايضاً
[3] ايضاً، [4] ايضاً،

منهم الا فلا صلوٰة لهم الا فلا زكوٰة لهم الا فلا صوم لهم الا فلا حج لهم الا فلا دين لهم هم براء من رسول الله صلى الله عليه وسلم ورسول الله برئ منهم[1]،

اللہ ان سے زمین کو پاک کرے اُن کی نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کوئی قبول نہیں، اُن کا کوئی دین نہیں، اللہ کا رسول ان سے بری اور یہ اللہ کے رسول سے بری ہیں،

القرآن كلام الله غير مخلوق فمن قال بغير هذا فقد كفر[2] — قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے، جس نے اس کے خلاف کہا وہ کافر ہے،

من رفع يديه فى الصلوٰة فلا صلوٰة له[3]، — جس شخص نے نماز میں اپنے ہاتھ اٹھائے، اس کی نماز نہ ہوگی،

امنى جبريل عند الكعبة فجهر ببسم الله الرحمن الرحيم[4]، — حضرت جبریل نے خانہ کعبہ کے پاس میری امامت کی اور انھوں نے بسم اللہ الخ زور سے پڑھی،

یا مثلاً:-

[1] جلال الدین سیوطی: اللآلی المصنوعة كتاب الايمان، [2] ملا علی قاری، موضوعات کبیر حرف القاف [3] تذکرۃ الموضوعات باب الصلوٰة [4] السنة ومكانتها، البواعث التى امرت الى وضعها،

وقد امرنی جبریل عن ربی ان اقوم فی هذا المشهد واُعلِم کل ابیض واسود ان علی ابن ابی طالب اخی و وصی وخلیفتی والامام بعدی[1]	حضرت جبرئیلؑ نے مجھکو میرے رب کی طرف سے حکم دیا ہے کہ میں اس مجمع میں کھڑے ہوکر ہر سیاہ سفید کو بتادوں کہ علیؓ بن ابی طالب میرے بھائی میرے وصی میرے خلیفہ اور میرے بعد امام ہوں گے،

غدیر خم کے مقام پر حضرت علیؓ کو خلیفہ نامزد کرنے کا جو واقعہ مشہور ہے، اس پر ابن تیمیہؒ وابن حزم وغیرہ نے بڑی سخت تنقید کی، اور اس کی روایت کو موضوع قرار دیا ہے، لیکن شیعہ حضرات نے اس کو حد تواتر تک پہنچانے کی کوشش کی ہے، ابن ابی الحدید حسینی شرح نہج البلاغہ میں کہتے ہیں:-

واعلم ان الآثار فی هذا الباب کثیرة جدًا ومن تاملها وانصف علم انه لم یکن هناک نص صریح ومقطوع به لاتختلجه الشکوک و لاتتطرق الیه الاحتمالات	اس باب میں آثار اتنے زیادہ ہیں جو شخص انصاف کے ساتھ غور کریگا وہ جان لے گا، کہ اس بارہ میں کوئی ایسی صریح اور یقینی نص نہیں ہے جس سے شکوک واحتمالات نہ پیدا ہوں، لیکن امامیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ

[1] احمد الامینی۔ الغدیر ج ۱ - الغدیر فی الکتاب الغدیر ۵۲ ایضاً والوافی (محسن فیض) طبقات الانوار (حامد حسین)

کما تزعم الامامیة فانهم یقولون ان الرسول صلی اللہ علیه وآله نص علی امیرالمؤمنین علیه السلام نصاً صریحاً جلیاً[1]	نے حضرت علیؓ کی خلافت کی کھلی تصریح کی ہے الخ

اس کے بعد کہتے ہیں:-

ولاریب ان المنصف اذا سمع ماجری لهم بعد وفاة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یعلم قطعاً انه لم یکن هذا النص[2]،	اس میں کوئی شک نہیں کہ جب کوئی منصف مزاج رسول اللہ کی وفات کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کو سُنے گا تو یقین کرے گا کہ اس باب میں کوئی صریح نص نہ تھی،

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس قسم کی اور روایتیں بھی ہیں جن کو محققین نے موضوع قرار دیا ہے، اسی طرح حضرت معاویہؓ کے بارے میں ہے،

الامناء ثلاثة انا وجبریل ومعاویة انت منی یا معاویة وانا منک؛	"امین" تین ہیں، میں، جبرئیل، اور معاویہؓ، اے معاویہؓ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں؛
لا افتقد فی الجنة الا معاویة فیاتی آنفا بعد	میں جنت میں صرف معاویہؓ کو تلاش کروں گا، پھر وہ ایک وقفہ

[1] ابن ابی الحدید حسینی - شرح نہج البلاغة فی عدم نص صریح علی خلافة والجواب تمسک الشیعة من النصوص، [2] شرح نہج البلاغة ص ۱۳۵،

وقت طويل فاقول من	
اين يا معاوية فيقول من	کے بعد اسی ساعت آجائیں گے،
عند ربي نيا جيني واناجيه	میں ان سے پوچھوں گا کہ معاویہؓ
فيقول هذا بما نيل من	تم کہاں تھے، وہ جواب دیں گے،
عرضك في الدنيا	میں اپنے رب کے پاس سرگوشی کر رہا
	تھا، اور وہ مجھ سے سرگوشی کر رہا
	تھا، یہ اس کے بدلہ میں ہے جو دنیا
	میں تمھاری بے عزتی کی گئی،

حضرت عباسؓ کے بارے میں ہے :-

العباس وصيي ووارثي	عباسؓ میرے وصی اور میرے وارث ہیں،
ان النبي قال للعباس اذا	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
كان سنة خمس وثلاثين	(حضرت) عباسؓ سے فرمایا
ومائة فهي لك ولولدك	کہ جب سنہ ایک سو پینتیس ۱۳۵ ہوگا
السفاح والمنصور والمهدي[۱]	تو وہ تیرے بعد اور تیری اولاد
	سفاح، منصور اور مہدی کے
	لئے ہوگا،

اسی طرح ان بزرگوں کی برائی سے متعلق جس قدر روایتیں رسول اللہ صلعم کی طرف منسوب

---

[۱] السنة ومكانتها الخ البواعث التي ادت الى الوضع - ابن قیم، المنار المنيف فصل ۳۴-۳۵-۳۷-

کی جاتی ہیں وہ سب موضوع ہیں[۱]،

داخلی نقد حدیث کے یہ چند اصول ہیں، جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اہل علم نے حدیثوں کے جانچنے کے لئے کس قدر بلند معیار قائم کیا ہے، ان کے علاوہ بھی محدثین نے کچھ کلی قواعد ذکر کئے ہیں، جن میں ابواب کے تحت روایتوں کو موضوع قرار دیا گیا ہے[۲]، طوالت کے خیال سے قصداً ان کو نہیں ذکر کیا جارہا ہے،

---

[۱] المنار المنيف فصل ۳۴-۳۵-۳۷، [۲] ملاحظہ ہو رسالہ امام صغانی المنار و موضوعات کبیر وغیرہ،

تاج محل کی تعمیر اور استاد احمد لاہوری

(تحقیق مزید کی روشنی میں)

مترجمہ۔ محمد نعیم ندوی صدیقی، ایم اے

(۲)

دیوان ہندس کے علاوہ دوسرے ماٰخذ میں استاد احمد کا تذکرہ،

دیوان ہندس کے علاوہ استاد احمد کا تذکرہ بعض دوسری ہم عصر دستاویزات میں بھی ملتا ہے مثلاً محمد صالح کنبوہ شہر دہلی کی بنیاد رکھے جانے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"جمعہ کی رات پچیسویں ذی الحجہ مطابق انیسویں اردی بہشت دور شاہجہانی کے بارہویں سال (۱۰۴۸ھ / ۱۶۳۸ء) کی ایک مبارک ساعت میں استاد احمد و حامد نے جو مشہور ماہرین فن میں تھے، ایک ایسے پروگرام کے مطابق اس شہر کی بنیاد رکھی۔ جس کا تصور بھی دنیا کے کسی گوشہ میں نہیں کیا گیا۔ یہ رسم اس علاقے کے گورنر اور اس مہم کے سربراہ خیرات خان کے زیر نگرانی انجام پائی۔"[1]

اس کی تصدیق ایک اور فارسی مخطوطہ تاریخ شاہجہانی[2] سے بھی ہوتی ہے، جس کے دوسرے باب میں قلعہ شاہجہاں آباد اور اس کے اندر بنی ہوئی دوسری

[1] اعمال صالح از محمد صالح کنبوہ جلد ۳ ص ۲۸ (کلکتہ اڈیشن)

[2] یہ مخطوطہ کتب خانہ دار العلوم دیوبند میں موجود ہے۔

عظیم عمارتوں اور شالیمار باغ کا تفصیلی ذکر ہے،

سرسید احمد خان نے بھی اپنی کتاب آثار الصنادید[3] میں استاد احمد اور استاد حامد کی مختلف علوم میں مہارت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"یہ لوگ اپنے فن میں بے نظیر تھے۔ اور ہندسہ و نجوم میں ثانی اقلیدس اور رشک ارشمیدس تھے۔"

استاد احمد اور حامد کے علاوہ شاہجہان آباد کی تعمیرات میں کئی اور ماہر معماروں کا بھی اشتراک عمل تھا، جن میں سے ایک لطف اللہ ہندس بھی تھا۔ تذکرہ سفینۂ خوشگو (مخطوطہ) اس کے بارے میں رقمطراز ہے۔

دار السلطنت شاہجہان آباد کا قلعہ لطف اللہ کے صلاح مشورے سے بنایا گیا تھا۔"[4]

اسکی مزید تصدیق حسین قلی خاں کے نشتر عشق سے بھی ہوتی ہے، وہ لکھتا ہے،

"مولانا امام الدین لطف اللہ ہندس کے فرزند تھے۔ جن کے مشورے سے دار السلطنت شاہجہان آباد کے شاہی قلعہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ امام الدین کا انتقال ۱۱۴۵ھ / ۱۷۳۲ء میں ہوا۔"[5]

احمد علی سندیلوی کی تصنیف تذکرہ مخزن الغرائب (۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۰ء)، صبح گلشن

[3] آثار الصنادید کا پہلا اڈیشن ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا تھا، اس کے بعد ۱۸۵۴ء اور ۱۸۷۶ء میں لکھنؤ سے دوسرا اور پھر کانپور سے بھی ۱۹۰۴ء میں اسکا ایک اڈیشن شائع ہوا۔

[4] "قلعہ دار الخلافہ شاہجہان آباد بتجویز وصوابدید او بنا یافتہ" [5] امام الدین خلف لطف اللہ ہندس لاہوری است کہ قلعہ ارک شاہجہان آباد برائے وے بنیاد شدہ ..."

اور تاریخ علمائے ہند آخری عہد کے وہ مآخذ دستاویزات ہیں، جو شاہجہان آباد کی تعمیر میں لطف اللہ کی شرکت کی تصدیق کرتے ہیں، ان کتابوں سے واضح ہوتا ہے کہ استاد احمد اور ان کا خاندان لاہور سے دہلی منتقل ہوگیا تھا، تاکہ شاہجہان آباد اور آگرہ کی تعمیرات میں شریک ہوسکے۔

اس عہد کی کئی ہم عصر تحریروں میں استاد احمد اور استاد حامد کا بار بار ایک ساتھ اس طرح ذکر آتا ہے کہ قارئی یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ یہ دونوں صرف رفیق تھے یا رشتہ دار یا بھائی تھے، علامہ ندوی کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں وہ بھائی تھے، ایک بار سید صاحب موصوف کی ملاقات دہلی کے ایک معزز اور قدیم خاندان کے ایک شخص سے ہوئی اس نے ان کو بتلایا کہ استاد احمد اور استاد حامد بھائی تھے، اس شخص کی رائے ان روایات پر مبنی تھی جو اپنے اجداد سے سنی تھیں، دہلی کے قدیم باشندوں نے بھی علامہ ندوی کو بتلایا کہ جامع مسجد دہلی کی تعمیر استاد حامد نے کی تھی۔ اور استاد بھیرا بھی اس کے ساتھ شریک رہا تھا۔ (ظاہر ہے کہ یہ نام اس کے ہندو ہونے کی دلیل ہے) جامع مسجد اور دریبہ بازار کے درمیان ایک گلی ہے جس کا نام "کوچہ اوستا حامد" ہے۔ مقامی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ استاد حامد اور احمد کے ورثہ جو ۱۹۵۰ء تک اس کوچہ میں رہتے تھے، "لاہور والوں" کے نام سے مشہور تھے۔

علامہ ندوی کی مذکورہ صدر رائے سے راقم سطور متفق نہیں کیونکہ اس عہد کی کسی دستاویز سے احمد اور حامد کے رشتہ دار ہونے کا ثبوت نہیں ملتا یہاں تک کہ لطف اللہ کے دیوان مہندس میں بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے[4]

کہ خاندان کے چچا تھے۔ اور نہ امام الدین حسن ریاضی ہی کی کسی تحریر سے اس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، حالانکہ لطف اللہ مہندس اور امام الدین دونوں نے اپنے اسلاف و اہل خاندان کے بارے میں بکثرت تفصیلات دی ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ احمد اور حامد بھائی تھے۔ درست نہ ہوگا۔

استاد حامد کے ورثہ کے بارے میں جو دریبہ بازار دہلی کے نزدیک "کوچہ اوستا حامد" میں رہتے تھے، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے لکھا ہے کہ یہ لوگ صراف تھے لیکن اس کا تعین بہت دشوار ہے کہ یہ لوگ ان ہی استاد حامد کی اولاد ہیں، اس لیے ڈاکٹر چغتائی کی رائے ہے کہ لال قلعہ دہلی کی تعمیر میں شریک استاد حامد اور جن استاد حامد کے نام سے یہ گلی موسوم ہے، دو مختلف افراد ہوسکتے ہیں،[5] لیکن یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ معاصر دستاویزات میں کسی دوسرے استاد حامد کا تذکرہ نہیں ملتا دوسرے اس کی شہادتیں موجود ہیں کہ ماہر تعمیرات استاد حامد ہی نے لال قلعہ دہلی اور جامع مسجد کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا تھا "لہذا کوچہ اوستا حامد" یقینی طور پر اسی معمار کے نام سے موسوم ہے۔ جہاں تک تاج محل کی نقشہ سازی اور معماری کے تعین کا تعلق ہے اس سے استاد حامد اور احمد کے بھائی ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اس کے علاوہ استاد احمد کا نام درج ذیل تحریروں میں بھی ملتا ہے۔

(۱) **کتبہ بمقام مارگلہ۔** (ضلع راولپنڈی پاکستان) اس کتبہ میں تحریر ہے کہ

[5] "عظیم مغل معماروں کا خاندان" (انگریزی مقالہ) از ڈاکٹر ایم عبداللہ چغتائی۔ اسلامک کلچر حیدرآباد۔ اپریل ۳۷ء ص ۲۰۱

شاہراہ سوری شیر شاہ سوری نے بنوائی تھی، اور اس کی مرمت مرزا محمد نے معمار استاد احمد کی نگرانی میں کی تھی۔ جن کے معاون جوگی داس اوڈیال داس تحویل دار تھے۔ اس کتبہ پر تاریخ ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۳ء کندہ ہے، چونکہ استاد احمد کا انتقال ۱۰۵۹ھ/۱۶۴۹ء میں ہو چکا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استاد احمد کا تعلق اس شاہراہ کی مرمت سے ضرور تھا، لیکن یہ کتبہ ۲۲ سال بعد اس وقت نصب کیا گیا جب یہ تعمیری کام پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا۔ یہ کتبہ شاہراہ سوری کے وسط میں ایک بلند پہاڑی کی چٹان پر سطح زمین سے ۱۰۔۱۵ فٹ اوپر نصب ہے۔ اور اکثر محققین کی دلچسپی کا مرکز رہا ہے۔[۵]

(۲) انشائے ہرکارہ، یہ ایک فارسی مخطوطہ ہے جس کا ایک باب محض استاد سے متعلق ہے۔ دریاؤں، سمندری محافظوں اور ملاحوں کے تذکرہ میں مرقوم ہے کہ "چونکہ شاہی احکام کی تعمیل کے سلسلہ میں احمد کو اکثر اس آبی شاہراہ سے گذرنا ہوتا ہے۔ اس لیے ہر متعلقہ شخص کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ استاد احمد کے گذرنے میں کسی قسم کی مداخلت نہ کرے"[۶] اس جملہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہی نظروں میں استاد احمد کی کتنی قدر و منزلت تھی اور وہ تعمیرات کے سلسلہ میں شاہی احکام کی بجا آوری کے لیے اکثر دور دراز ملکوں کا سفر بھی کیا کرتے تھے۔

(۳) خط مورخہ ۱۰۳۹ھ/۱۶۳۰ء[۷] یہ خط ملا فرید ابراہیم کے نام ہے اس میں مرقوم ہے کہ ملا فرید ابراہیم کو ریاضی دانوں کے بادشاہ استاد احمد سے بڑی تقویت ملی تھی یہ

[۵] خواجہ رشید الدین کا مقالہ شائع شدہ ماہنامہ برہان دہلی اپریل ۱۹۵۶ء، [۶] استاد احمد اور اسکا خاندان مصنفہ ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی لاہور ۱۹۵۷ء [۷] مخطوطہ برٹش میوزیم

یہ نام احمد ہمارے زیر بحث استاد احمد ہی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اس خط پر ۱۶۳۰ء کے وسط کی تاریخ درج ہے۔ یعنی ممتاز محل کی وفات سے ایک سال قبل کی تاریخ۔ یہ وہ وقت تھا جب اس نادرۂ عصر معمار کا ستارۂ اقبال عروج پر پہونچنے والا تھا۔ چنانچہ اس کے صرف ایک سال بعد ۱۶۳۱ء میں اس کو ملکہ کے شاندار مقبرہ کی تعمیر کا کام سپرد ہوا۔

(۴) تذکرۃ الاولیاء[۸] مصنفہ فرید الدین عطار۔ اس کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا کاتب لطف اللہ بن احمد بن یوسف بن حسن بن عبد اللطیف تھا۔ یہ کتاب ۱۰۹۹ھ/۱۶۸۷ء میں بمقام دولت کدہ محمد لکھی گئی۔ یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ ترکی مورخین نے دو معماروں عیسی اور یوسف کا تذکرہ بھی کیا ہے جن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ ۹۳۳ھ/۱۵۲۶-۲۷ء میں شہنشاہ بابر کے ہمراہ آئے تھے، عیسی اور یوسف ترکی معماروں میں سب سے ہوشیار و ماہر سینان یا سنیان بے کے شاگرد تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یوسف ہندوستان میں مقیم رہا۔ اور یہیں اس کے بیٹے احمد کی ولادت ہوئی۔

اتفاق سے ایک اور فارسی مخطوطہ تذکرہ باغستان[۹] مصنفہ امام الدین ریاضی بن لطف اللہ ھندس بن استاذ احمد بھی دستیاب ہو گیا ہے۔ یہ کم و بیش ۱۱۱۶ھ/۱۷۰۴ء کا مکتوبہ ہے۔ مصنّف نے اپنے والد بزرگوار کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے،

[۸] مخطوطہ پبلک لائبریری [۹] امام الدین حسین ریاضی نبیرہ استاذ احمد معمار تاج اور اسکا تذکرہ باغستان (انگریزی مقالہ) از ڈاکٹر نذیر احمد شائع شدہ اسلامک کلچر حیدرآباد اکتوبر ۱۹۵۶ء ص ۳۳۰ تا ۳۵۰،

"عظیم ترین ریاضی داں، معماروں میں بہترین لطف اللہ مہندس بن احمد ہروی لاہوری"

ان کے ابتدائی وطن کے بارے میں امام الدین لکھتے ہیں کہ الہروی (یعنی ھراۃ کا باشندہ) ثم لاہوری ثم دہلوی" جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ یوسف ہرات سے ترک وطن کر کے لاہور آئے تھے۔ اور وہیں مقیم ہوگئے۔ اور اس کے بعد استاذ احمد دہلی منتقل ہوگئے۔ جہاں اب بھی ان کا خاندان لاہوری کی نسبت سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۵) مرأۃ واردات۔ مصنفہ محمد شفیع نگینوی مکتوبہ ۱۱۴۶ھ ۳۴-۱۷۳۳ء اس میں عہد شاہجہانی (۱۶۲۸ء تا ۱۶۵۸ء) کے واقعات کا تذکرہ ہے۔ مصنف خانہ آصف خان کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"شاہجہانی دور میں تعمیر کردہ شاہی عمارات لال قلعہ، جامع مسجد تاج محل، شالیمار باغ اور پنج خانہ آصف کا ساری دنیا میں ثانی نہیں مل سکتا ہے۔ نواب آصف خان کا محل[1] بھی حیرت انگیز فن تعمیر کا نمونہ ہے۔ جس کے کئی قطعے اور لاتعداد کمرے ہیں۔ نواب آصف خان کی موت کے بعد شاہزادہ دارا شکوہ نے شاہجہاں سے درخواست کی تھی کہ یہ محل اسے دیدیا جائے۔ چنانچہ وہ اسے مل گیا۔ اپنے محل کے سامنے دارا شکوہ نے دو چھوٹی عمارتوں کی تعمیر شروع کی تھی۔ لیکن ابھی نصف کام بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اس کا خزانہ خالی ہوگیا۔

۱؎ جو شیش محل بھی کہلاتا ہے۔

اور وہ بھی اس حالت میں کہ وہ ولی عہد شاہزادہ تھا۔ اور اسے پانچ لاکھ کا صرف خاص ملتا تھا"

بیان کیا جاتا ہے کہ جب خانہ آصف خان مکمل ہوگیا تو معمار استاذ احمد نواب موصوف کو اپنے ہمراہ محل دکھانے لے گیا۔ نواب اس کو دیکھ کر سخت برافروختہ ہوا۔ اور بولا" ارے کمبخت تونے ایک ایسی عمارت بنائی ہے جس میں کوئی شخص پاؤں پھیلا کر آرام سے لیٹ بھی نہیں سکتا"۔ استاذ احمد جس کو توقع رہی ہوگی۔ کہ نواب اس کے فن کو سراہے گا۔ اور انعام واکرام سے مالامال کرے گا۔ شدید مایوس ہوا۔ اور یہ منہ توڑ جواب دیا۔ "جناب والا! آج تک میں نے کوئی ایسا محل نہیں دیکھا جس میں کوئی اپنے پاؤں کو پھیلا سکے اور آج مجھے یقین ہوگیا ہے کہ میرے حضور کے پاؤں سوائے قبر کی تنگ وتاریک کوٹھری کے اور کہیں نہیں پھیل سکتے"۔ اس دانشمندانہ جواب سے نواب آصف خان بہت خوش ہوا۔ اور اسی وقت ایک لاکھ روپے انعام خلعت فاخرہ اور دیگر تحائف سے سرفراز کیا۔ ان شاندار عمارتوں میں وسیع ہال اور بیش قیمت سامان آرائش سے مزین لاتعداد کمرے ہیں"

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے ۔۔۔ استاذ احمد لاہوری کو تاج محل کا نقشہ نویس اور معمار قرار دئے جانے پر بہت شک وشبہہ کا اظہار کیا ہے۔ ان کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے۔

"استاذ احمد لاہوری دور شاہجہانی کے ایک ماہر معمار تھے۔ لیکن تاج محل کی تعمیر سے ان کے تعلق کو شبہہ سے بالاتر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ان کے فرزند لطف اللہ مہندس نے دیوان مہندس میں شاہجہانی دور کے معماروں میں اپنے والد اور اپنے خاندان کے دوسرے افراد کو خصوصی طور پر نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے [۱]

اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیوان مہندس کا جو قلمی نسخہ ڈاکٹر چغتائی کو اپنے دوست ابو صالح محمد عمر یافعی حیدرآبادی سے پونہ میں ملا تھا۔ اس میں وہ اہم نظم شامل نہیں ہے۔ جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شاہجہاں نے استاد احمد لاہوری کو ممتاز محل کے مقبرہ کی تعمیر کا کام سپرد کیا تھا [۲]

ڈاکٹر چغتائی کو گرچہ عمل صالح اور تاریخ شاہجہانی کے اس بیان سے اختلاف ہے کہ لال قلعہ کے بنانے میں استاذ احمد کا ہاتھ تھا۔ لیکن وہ یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ تاج محل کی تعمیر سے بھی استاذ موصوف کا کوئی تعلق تھا۔ اس یقین نہ کرنے کی وجہ محض یہ ہے کہ اس کے واحد گواہ لطف اللہ مہندس ہیں انھوں نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں عمارتوں کے معمار ان کے والد بزرگ وار تھے۔ لیکن مہندس کی اس شہادت کو ناقابل یقین ہونے کا

---

[۱] "تاج محل کی تعمیر" مقالہ از ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی۔ رسالہ کارواں لاہور ۱۹۳۲ء سالانہ نمبر ص ۱۲۵ و "عظیم معماروں کا خاندان" (انگریزی مقالہ) اسلامک کلچر اپریل ۱۹۳۳ء ص ۲۰۰ و "آگرہ کا تاج محل" (کتاب مطبوعہ بروسلز) ص ۱۱۵ [۲] احمد معمار لاہوری اور اس کا خاندان (انگریزی کتاب مطبوعہ لاہور ۱۹۵۷ء) توسیعی لکچر پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۳۹ء۔ [۳] "استاد احمد لاہوری اور اس کا خاندان" مصنفہ چغتائی مطبوعہ لاہور ۱۹۵۷ء۔

کوئی مدلل و معقول جواب ڈاکٹر چغتائی نے نہیں دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دیوان مہندس کے ایک سے زیادہ نسخے موجود ہیں۔ اور ان میں صرف ایک ہی نسخہ اصلی ہوگا۔ ممکن ہے کہ پونہ والا نسخہ (جو چغتائی کی نظر سے گذرا ہے۔) اصلی نسخہ کی ہوبہو نقل نہ رہا ہو۔

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا دیوان مہندس کے تمام نسخوں کا سراغ لگایا جا چکا ہے؟ دیوان مذکور سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ استاد احمد کے خاندان کے افراد دارا شکوہ کے پر زور حامی تھے۔ غالباً اسی سبب سے تاج محل اور دوسری اہم عمارتوں کے کاریگروں کی فہرست سے استاد احمد کا نام خارج کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے اورنگ زیب کی ناراضگی کا اندیشہ تھا۔ لطف اللہ مہندس اپنے عہد کی نہایت ذی علم اور معزز شخصیت تھے، ان کو دیوان مہندس کی حقیقتوں کو منظر عام پر لانے کے سوا کسی کذب بیانی سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ اور اگر انھوں نے غلط بیانی سے کام لیا ہوتا تو اس کا پردہ فاش ہونے میں زیادہ وقت نہ لگتا۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ عہد مغلیہ سازشوں سے بھرا ہوا تھا۔

تاریخ کے طلبہ اور محققین کو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوگی کہ شاہجہانی دور کے تذکروں مثلاً عبد الحامد لاہوری کے بادشاہ نامہ اور محمد صالح کنبوہ کے عمل صالح میں صرف مکرمت خان اور میر عبد الکریم ہی کے نام ملتے ہیں ان دونوں کو تاج محل کی تعمیر کی نگرانی کا کام سپرد ہوا تھا۔ ظاہر ہے ان کو مشاہرے بھی نسبتہً زیادہ ملتے رہے ہوں گے۔ یہ محض ایک اتفاق ہی معلوم ہوتا ہے

کہ مندرجہ بالا کتابوں کے مصنفوں نے تاج محل کے معمار کی حیثیت سے استاد احمد کا تذکرہ نظر انداز کر دیا۔ اور یہ محسوس نہیں کیا کہ ان کی یہ ذرا سی غفلت دو صدیوں کے بعد کتنی شعلہ سامانیوں کو جنم دے گی۔ اور ایک ایسی غیر منتہی بحث کا دروازہ کھول دے گی۔ جس کی ابتدا ۱۸۴۴ء میں سر ولیم سلی مین (William Sleeman) نے آسٹن دی بوردو کو معمار تاج قرار دے کر کی تھی۔ اگر عبدالحمید لاہوری اور محمد صالح نے اس غفلت کے انجام پر غور کیا ہوتا تو وہ اس ضروری نکتہ کو ظاہر کرنا اپنا فرض خیال کرتے کیونکہ یہ دونوں شاہجہانی دور کے بلند پایہ محقق تھے۔

ایک اور نکتہ جو ہمیں دعوت فکر دیتا ہے، یہ ہے کہ جس طرح دیوان مہندس کے نسخہ پونہ میں استاد احمد کا نام معمار تاج کی حیثیت سے مذکور نہیں ہے اسی طرح بہت ممکن ہے کہ بادشاہ نامہ اور عمل صالح کی بھی متعدد نقلیں ہوئی ہوں جن میں سے بعض میں کسی مصلحت کے پیش نظر یا کسی وجہ سے تاج محل کے نقشہ نویس کا تذکرہ درج نہ کیا ہو۔ یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ ان مخطوطات کی کتنی ہی نقلیں ہند و بیرون ہند میں موجود ہیں۔ ان تمام نسخوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اصل نسخہ کا سراغ لگانے کی ضرورت ہے، تب یہ تحقیق ہو سکے گی کہ اس اصل نسخہ میں معمار تاج کا تذکرہ ہے یا نہیں؟

جب تک یہ تحقیق ... مکمل نہ ہو جائے اس وقت تک لطف اللہ کے بیان پر شبہ کرنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا۔ اور نہ کوئی ایسا معقول سبب نظر آتا ہے جس سے دیوان مہندس میں لطف اللہ کے دیئے ہوئے بیانات کی

تردید کیجا سکے محض اتنی بات تردید کے لیے کافی نہیں ہے۔ کہ لطف اللہ مہندس استاد احمد معمار کے فرزند تھے۔ اور وہ اپنے والد بزرگوار کی صلاحیتوں اور شاندار کارناموں کے لیے ان کی توصیف کرتے تھے۔ یا وہ اپنے اہل خاندان کے مدح خوان تھے۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے مشہور محقق ڈاکٹر نذیر احمد کے نظریات کا مطالعہ کرنا بے محل نہ ہوگا۔ انھوں نے اپنے عالمانہ مقالہ "امام الدین حسین ریاضی نبیرہ نادر العصر استاد احمد معمار تاج محل" میں بڑے پر زور الفاظ میں لکھا ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی کئی برس کی تحقیق و کاوش کے بعد یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ کہ لطف اللہ مہندس کے والد بزرگوار استاد احمد ہی اس عجوبہ دوراں تاج محل کے معمار تھے۔[54] دیوان مہندس میں اس بات کا بین ثبوت موجود ہے۔ اس میں ایک چھوٹی سی مثنوی ہے۔ جس میں مصنف نے اپنے والد اور دوسرے اہل خاندان کا تعارف کراتے ہوئے استاد احمد کا ذکر لال قلعہ اور تاج محل کے معمار کی حیثیت سے کیا ہے۔[55]

دیوان مہندس کا تفصیلی تجزیہ کرتے ہوئے۔ ڈاکٹر موصوف فرماتے ہیں۔

"تمام مثنویوں میں وہ مثنوی سب سے اہم ہے جس میں لطف اللہ مہندس نے اپنے والد اور بھائیوں کا ذکر کیا اور استاد احمد کو بام شہرت

---

[53] شائع شدہ اسلامک کلچر حیدر آباد اکتوبر ۱۹۵۶ء ص ۳۳۰ تا ۵۰۔

[54] امام الدین حسین ریاضی نبیرہ استاذ احمد معمار تاج اور اس کا تذکرہ باغستان" (انگریزی مقالہ) از ڈاکٹر نذیر احمد اسلامک کلچر حیدرآباد اکتوبر ۱۹۵۶ء ص ۳۳۰

[55] ایضاً ص ۳۳۱-۲

پر پہونچایا ہے۔ [1]

ہندسی خاندان کے داراشکوہ اور اس کے بیٹے سے تعلقات کی تصدیق بھی ایک مثنوی سے ہوتی ہے۔ اس میں کچھ قطعات داراشکوہ سے متعلق ہیں ایک قطعہ اس کی تعمیرات کے بارے میں ہے۔ ایک دوسرے قطعہ کا تعلق اس کی خاص کلید سے ہے۔ تیسرے قطعہ میں اس کے بیٹے سلیمان شکوہ کی جشن عروسی کا تذکرہ ہے۔ لطف اللہ ہندسی ایک جگہ بہت پرزور الفاظ میں لکھتے ہیں۔ ہم سب معمار و ماہر تعمیرات ہیں۔ میرے تیار کردہ نقشے اتنے صاف ہوتے ہیں کہ ان کے سامنے مہر درخشاں کی روشنی بھی ماند پڑ جاتی ہے۔ جب میں اپنا کام کرنے بیٹھتا ہوں تو بادشاہ امور سلطنت میں مصروف ہو جاتا ہے۔ [2]

لطف اللہ ہندسی کا آبائی وطن ہرات تھا۔ جہاں سے اس کے مورث اعلیٰ ترک وطن کرکے ہندوستان آئے اور لاہور میں سکونت اختیار کی پھر وہاں سے ان کے والد (استاذ احمد) دہلی منتقل ہوگئے۔ امام الدین حسین ریاضی کے تذکرے باغستان کے بارے میں ڈاکٹر نذیر احمد لکھتے ہیں۔

"ہم عصر مورخین نے استاذ احمد کو دور شاہجہانی کے ایک ممتاز معمار کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے۔ وہ تعمیرات کے تمام شعبوں سے بہرہ وافر رکھتے تھے۔ ان کے فرزند ہندسی کے بیان کے مطابق انھیں کمال

[1] از ڈاکٹر نذیر احمد اسلامک کلچر حیدرآباد اکتوبر ۵۶ء ص ۳۳۶

[2] مترجم :- اصل فارسی اشعار جن کے انگریزی ترجمہ کا اردو ترجمہ اوپر مذکور ہو رہا ہیں۔

ما ہمہ معمار و عمارت گریم

چنان منیر شود شبہہ عمارت من — کہ نور مہر بود نزد نور او تاری

دمے کہ من بعمارت گری شوم مشغول — ملک مصالح کار را در دو بسر باری

(مقالات سلیمان تاریخی ص ۳۲۰)

فن کے باعث نادر العصر کا خطاب ملا تھا۔ لیکن ریاضی کے باغستان میں ہمیں نادر العصر کے بارے میں کچھ زیادہ مواد نہیں ملتا۔ ریاضی نے اپنے باپ لطف اللہ کی تصنیف "تذکرہ ہندسی" (یعنی دیوان ہندسی) کے حوالہ سے محض یہ بتایا ہے کہ استاذ احمد کے مولانا مرشد شیرازی سے گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ شیرازی کو مکرمت خاں کا خطاب عطا ہوا تھا۔ اور وہ استاد احمد کے خلف اکبر عطاء اللہ رشیدی کے استاد تھے۔ [1]"

یہ اقتباسات دیکر ڈاکٹر نذیر احمد نے یہ بتایا ہے کہ کن کن مواقع پر استاد احمد نے اپنے کو ریاضی اور دوسرے سائنسی علوم میں مکرمت خان سے برتر و افضل ثابت کیا تھا۔ بقول ڈاکٹر صاحب موصوف یہ بیان اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ استاد احمد علم کے ایک بحر بیکران تھے۔ مکرمت خان جیسے عالم کا نادر العصر سے پسپا ہو جانا اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ استاد احمد علم ریاضی نجوم ہیئت و ہندسہ اور دوسرے سائنسی علوم میں بڑی عظیم صلاحیتوں کے مالک تھے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان کے درمیان بحث و مناظرہ کے باوجود مکرمت خان اور استاد نادر العصر نہایت گہرے دوست تھے یہ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں عالم ایک ہی سال عالم جاودان کو سدھارے۔

استاد احمد کی دریافت سب سے پہلے کس نے کی؟

استاد احمد لاہوری کی شخصیت کا سب سے پہلے کس نے انکشاف کیا؟ اس کی وضاحت بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

[1] امام الدین حسین ریاضی نبیرہ استاد احمد معمار تاج" از ڈاکٹر نذیر احمد اسلامک کلچر حیدرآباد اکتوبر ۵۶ء ص ۳۳۱۔

اٹلی کے ماہر طنز نگار اینٹونیو زوبی —— (Antonio Zobie)
نے اپنی مشہور تصنیف (Notize Storiche Sull origine e Progressi dei lavori e di commesso in Pietre dure)
میں ایک خط کا حوالہ دیا ہے۔ جو انھیں ہندوستان
کے برطانوی گورنر جنرل چارلس مٹکاف (C. Metcalfe) نے
۱۸۵۳ء میں لکھا تھا اس خط میں ہے کہ

"تحریروں اور روایتوں سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہجہانی دور
کی کل تعمیرات استاد احمد اور استاد حامد کی عظیم صلاحیتوں کا نتیجہ
تھیں۔ یہی دونوں وہ معمار تھے۔ جن کی ذہنی صلاحیت اور جمالیاتی
ذوق نے ہمیں آفاقی شہرت کا حامل تاج محل عطا کیا۔ اور وہ تمام شاندار
سنگی عمارتیں بھی تعمیر کیں جو دہلی اور آگرہ کی زینت بڑھا رہی ہیں۔"

مندرجہ بالا اقتباسات پر تبصرہ کرتے ہوئے پادری ایچ ہاسٹن
(Rev. H. Hosten) نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یقیناً مٹکاف
کو بھی یہ بات اس ذریعہ سے معلوم ہوئی ہوگی جس سے سرسید احمد خان کو
معلوم ہوئی تھی۔[1]

لیکن راقم سطور چارلس مٹکاف کے جمالیاتی ذوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے
یہ عرض کرتا ہے کہ ۱۸۵۳ء کے بہت پہلے سرسید احمد خان ایک ممتاز عالم،
تاریخ داں اور ماہر آثار قدیمہ تسلیم کیے جا چکے تھے۔ لہٰذا یہ قرین قیاس ہے کہ

[1] رسالہ یو پی ہسٹاریکل سوسائٹی مئی ۱۹۲۲ء ص ۱۳۲

مٹکاف کو یہ اطلاع خود سرسید کی مشہور تصنیف آثار الصنادید سے ملی ہوگی۔
جو ۱۸۴۷ء میں شائع ہوئی تھی۔

مسلم یونیورسٹی لائبریری کے سبحان اللہ خاں کلکشن میں "رسالہ احمد معمار"
نامی ایک مخطوطہ (مکتوبہ ۱۰۳۶ھ) کا حوالہ دیتے ہوئے سرسید احمد نے استاد
احمد کا تذکرہ دوسرے رسائل میں بھی ملنے کا خیال ظاہر کیا ہے۔ مثلاً ملا فرید ابراہیم
کے نام ایک خط مکتوبہ ۱۰۸۷ء کی تصنیف تذکرۃ الاولیاء شیخ فرید الدین عطار
محمد شفیع نگینوی کی کتاب "مراۃ واردات" (مکتوبہ ۱۳۳۴ھ) ممکن ہے ان کو
مانڈو میں ہوشنگ شاہ کے مقبرہ کے کتبہ (مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۶۵۹ء) میں بھی
استاذ احمد کا نام دیکھنے کا اتفاق ہوا ہو۔

چونکہ مٹکاف نے سرسید احمد خان کے اس بیان کی تائید کی ہے کہ استاد
احمد ہی وہ شخصیت ہے جس نے تاج محل کا نقشہ تیار کیا تھا۔ لہٰذا یہ نتیجہ نکالا
جا سکتا ہے کہ سرسید نے بھی لطف اللہ ہندسہ کے دیوان ہندسہ کا مطالعہ کیا
تھا۔ جو انھیں علی گڈھ میں دستیاب ہوا ہوگا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرسید احمد
پہلے شخص ہیں جنھوں نے دنیا کو استاد احمد کے معمار تاج ہونے کی حقیقت سے
روشناس کرایا۔

اختتامیہ | مذکورہ بالا ماخذوں سے حاصل شدہ معلومات سے یہ بات پوری
طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ استاد احمد اور ان کا خانوادہ صاحب علم و فن
تھا اور اس کے افراد مختلف سائنسی موضوعات پر بکثرت کتابوں کے مصنف
اعلیٰ درجہ کے شاعر، اور سب سے بڑھ کر بہترین معمار اور نقشہ نویس تھے۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابل ذکر ہے۔ کہ استاد احمد نے ممتاز محل کے مقبرہ کی نقشہ سازی اور تعمیر کی۔ اور ان کے بیٹے عطاء اللہ رشیدی نے اورنگ آباد میں شہنشاہ اورنگ زیب کی محبوب بیوی دلرس بانو بیگم[1] (رابعہ دورانی) کے مقبرہ کی تعمیر کی۔ جس کا انتقال زچگی کی حالت میں ۱۶۵۷ء میں اسی طرح ہوا تھا۔ جس طرح ممتاز محل کا۔ چونکہ رابعہ دورانی کے مقبرہ کی تعمیر اس کے انتقال کے تھوڑے ہی عرصہ بعد یعنی ۱۶۵۹ء میں شروع ہو گئی تھی۔ لہٰذا اس بات کو محض حسن اتفاق قرار نہیں دیا جا سکتا کہ یہ دونوں مقبرے (جن میں سے ایک کی تعمیر باپ نے کی اور دوسرے کی بیٹے نے) بہت حد تک باہم مشابہت رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے بیٹے کو تعمیر کا فن اپنے باپ سے ورثہ میں ملا تھا۔ اس لئے۔ اگر اورنگ زیب نے بھی اپنے باپ شاہجہاں کی طرح خزانہ کا منہ کھول دیا ہوتا۔ تو عطاء اللہ رشیدی اورنگ آباد میں اس بھونڈی نقالی کے بجائے یقیناً تاج محل کا ثانی اور مد مقابل کھڑا کر دیتا۔

مذکورہ بالا معلومات کو یکجا کر کے ہم استاد احمد لاہوری کی داستان اس طرح ترتیب دے سکتے ہیں کہ جب ۱۵۲۶ء میں بابر ہندوستان آیا۔ تو اس کے ہمراہ آنے والے لوگوں میں بہت سے فنکار، معمار، اور صنعت کار بھی تھے۔ جو بادشاہ کے ذوق جہاں کی تکمیل کے لیے اس کے ہم رکاب رہتے تھے۔ فن کاروں اور معماروں کے اس گروہ میں یوسف اور عیسیٰ بھی تھے۔ جو ترکی کے عظیم ماہر تعمیرات سینان کے شاگرد تھے۔ بعض ترک مورخین کا خیال ہے کہ یہ دونوں شاگرد بھی ترک

[1] دلرس بانو بیگم دربار اکبری کے نمایاں شخص خان خانان عبد الرحیم خان کی پوتی اور شاہنواز خان کی بیٹی تھی۔

نژاد تھے۔ لیکن امام الدین ریاضی اور اس کے والد لطف اللہ کے بیانات سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ یوسف بن حسن بن عبد اللطیف ہراۃ کے باشندے تھے۔ جو غالباً سینان کے زیر نگرانی مزید تعمیری مہارت حاصل کرنے کے لئے ترکی گئے ہوں گے۔ یہاں سے وہ وسط ایشیا پہونچے اور اس کے بعد بابر سے ملے۔

یوسف کی تعمیراتی مہارت کی بنا پر بابر اسے ہندوستان لایا یہ تو ثابت نہیں کہ یوسف نے بابر کے لئے بھی کچھ تعمیر کیا ہو۔ لیکن اتنا مسلم ہے کہ وہ لاہور میں مقیم ہو گیا اور یہیں اس کے فرزند احمد کی ولادت ہوئی جو آگے چل کر بڑا ہونہار ثابت ہوا۔ اور فن تعمیر میں اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنا شروع کیا۔ احمد کو علم نجوم، فن تعمیر، ریاضی و ہندسہ وغیرہ علوم طبیعات سے گہری دلچسپی تھی۔ لاہور اور مغلیہ سلطنت کے کسی حصہ میں جہاں اس کی تعمیری ذمہ داریاں اس کو لے گئیں اس کی ذہانت اور شہرت نے اسے ہر فن کے ماہرین سے روشناس کرایا۔ یہاں تک کہ میر عبد الکریم عرف مامور خان جیسے لوگوں کے ساتھ اس کا شمار ہونے لگا۔ اس کی شہرت نے اسے نامور معمار ملا مرشد شیرازی الملقب بہ مکرمت خان اور استاد حامد کا (جو بعد میں لال قلعہ کی تعمیر میں اس کے شریک کار رہے) ہم پلہ بنا دیا۔ اپنی ملازمت کے دوران میں وہ دربار مغلیہ کے بعض مقربین خاص مثلاً نواب آصف خان اور نواب وزیر خان (شاہی طبیب) سے بھی متعلق رہا۔

جس زمانے میں اس کا قیام پنجاب میں تھا۔ وہ استاد احمد لاہوری کی

جیثیت سے مشہور ہو چکا تھا۔ اسی دوران میں بادشاہ نے اس کو شیرہ سوری کی مرمت کے کام پر مامور کیا۔ اس کام میں دو ہندو ماہرین جوگی داس اور دیال داس تحویلدار بھی اس کے معاون تھے۔ اس کام میں احمد کی شرکت کا ثبوت مذکورۂ بالا کتبہ سے بھی ملتا ہے یہ کتبہ اس کی وفات کے کئی سال بعد ۱۶۲۰-۲۱ء میں کام مکمل ہو جانے کے بعد مارگلہ میں نصب کیا گیا۔ قیام لاہور کے دوران میں استاد احمد نے نورجہاں کے بھائی نواب آصف خان کے لیے ایک شاندار محل تعمیر کیا۔ اور شاہزادہ دارا شکوہ اور اس کے لڑکے سلیمان شکوہ کے بھی بہت سے تعمیری کام انجام دیئے۔

استاد احمد کے تین فرزند تھے۔ عطاء اللہ، لطف اللہ اور نور اللہ ان سب کو اپنے باپ کے تمام فنون ورثہ میں ملے تھے، عطاء اللہ کی تعلیم مکرمت خان کے زیر نگرانی ہوئی تھی۔ جو استاد احمد کے گہرے دوست تھے۔ شعور کے عروج پر پہنچنے پر ان تینوں لڑکوں کو عطاء اللہ رشیدی، لطف اللہ مہندس اور نور اللہ معمار کے نام سے موسوم کیا جانے لگا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

جہانگیر کی وفات کے بعد شاہجہان نے احمد کو شاہی ملازمت پر برقرار رکھا۔ اور اپنے دارالسلطنت آگرہ کی تحسین و تزئین کا کام سپرد کیا۔ جب شکستہ دل شہنشاہ نے اپنی ملکہ ممتاز محل کے لیے ایک لافانی شاہکار تعمیر کرانے کا ارادہ کیا، تو اس کے لیے وزراء کی ایک کمیٹی

تشکیل دی۔ اور پورے ملک کے ماہر معماروں کو مقبرہ کا بہترین نقشہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ ان تمام نقشوں کا شاہجہان نے بغور مطالعہ کیا۔ اور آخر میں استاد احمد کے نقشہ کو شرف قبولیت حاصل ہوا۔ اور اس نے استاد احمد کو اس کے نقشہ کے مطابق لکڑی کا ماڈل تیار کرنے کا حکم دیا۔ اس ماڈل کو شاہجہان نے بہت پسند کیا۔ اور استاد احمد کو یہ شاہکار تعمیر کرنے کا حکم ملا، اور آج اسی تخلیق کو ہم نوادر میں شمار کرتے ہیں۔ اس تعمیر کے صلہ میں استاد احمد کو نقد انعامات کے علاوہ نادر العصر کا خطاب بھی عطا کیا گیا۔

اس تعمیر کے دوران استاد احمد کے دو قدیم رفقائے کار میر عبدالکریم اور مکرمت خان نگران اعلیٰ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۶۳۹ء میں جب تاج محل تکمیل کے آخری مرحلہ میں تھا۔ شہنشاہ نے دہلی میں ایک نیا دارالسلطنت تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت قدرتاً آگرہ میں استاد احمد لاہوری کی چابکدستی کا شاہکار دیکھنے کے بعد شاہجہاں کی نظر انتخاب استاد احمد ہی پر پڑی۔ اس کام میں احمد کا ہاتھ بٹانے کے لیے ایک اور ماہر معمار استاد حامد کو آپ کا معاون مقرر کیا گیا۔ جس کے بارے میں کچھ مورخین کا خیال ہے کہ وہ استاد احمد کے بھائی تھے۔ استاد احمد کے دوسرے فرزند لطف اللہ بھی ان لوگوں میں تھے۔ جن کو لال قلعہ کی تعمیر میں بطور کاریگر مقرر کیا گیا تھا۔ اور لطف اللہ کو اس کی

مہارت کی بنا پر شاہجہاں نے ہندسہ یعنی انجینیر کا خطاب عطا کیا۔ شاہجہان سے لطف اللہ کے قریبی روابط کی شاہد وہ تحریریں بھی ہیں۔ جن میں اس نے خود کو شاہجہانی لکھا ہے۔

استاد احمد غالباً ۱۶۳۱ء کے قریب لاہور سے آگرہ آئے اور اسکے سات سال بعد وہ دہلی پہونچے۔ جہاں انکا خاندان سکونت پذیر ہوگیا دہلی میں مستقل اقامت اختیار کرنے کے باوجود ان لوگوں کو ہمیشہ لاہوری کہا جاتا رہا۔

اپریل ۱۹۶۷ء میں مقالہ نگار کو آگرہ میں ایک ایسے مقبرہ کا پتہ چلا جو کے ڈی پالیوال پارک کی شمالی دیوار سے بالکل متصل ہے۔ اس کے بارے یں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ استاد عیسیٰ کا مقبرہ ہے۔ لیکن جیسا کہ راقم سطور پہلے ثابت کر چکا ہے کہ استاد عیسیٰ کا کوئی وجود نہیں مگر ایک صدی سے زائد تک لوگ استاد عیسیٰ ہی کے تاج محل کے نقشہ نویس ہونے کا غلط تصور قائم کیے رہے لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ مقبرہ میں مدفون جسد خاکی استاد احمد کے علاوہ کسی اور کا ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ مقبرہ اس شارع عام کے ٹھیک کنارے واقع ہے۔ جو مذکورہ پارک اور سنٹرل ہندی انسٹیٹیوٹ لائبریری کے درمیان سے گزرتی ہے۔ اور یہ مقبرہ تاج محل سے بھی نظر آتا ہے۔

اس معمار کے ورثہ وزیر پورہ اور کربلا کی کالونیوں کے آس پاس اب بھی موجود ہیں۔ وزیر پورہ کالونی نواب وزیر خاں کے نام سے موسوم ہے، جو شاہی طبیب تھے۔ ان ہی نے ممتاز محل کے مرض الموت میں اس کا علاج کیا تھا۔ یہ بھی ممکن کہ وزیر خان

اہل خاندان نے استاد احمد کے گھر والوں کو اپنے یہاں پناہ دی ہو۔ کیونکہ استاد احمد اور نواب وزیر خان کے درمیان عرصۂ دراز سے دوستانہ مراسم تھے۔

یہ دلیل کسی طرح قابل قبول نہیں کہ تاج محل کے نقشہ نویس کی شخصیت پر اس دور کی کوئی دستاویز ایسی روشنی نہیں ڈالتی۔ جس سے لطف اللہ کے اس بیان کی تصدیق ہو سکے کہ اس کے والد استاد احمد ہی تاج محل کے نقشہ نویس تھے، کیونکہ مغلیہ دور کی بہت سی مشہور عمارتوں کے معماروں کا تذکرہ اس دور کی تحریروں میں نہیں ملتا۔ عہد شاہجہانی میں تعمیر کردہ عمارتوں کی کہکشاں میں تاج محل ایک کوکب تاباں کی حیثیت رکھتا ہے مغلیہ دور کے ۔۔۔ مورخین کے پاس تاریخ نگاری کا اتنا زیادہ مواد تھا کہ اس میں ہر نام اور ہر واقعہ کا ذکر کسی طرح ممکن نہ تھا اس لیے مغلیہ دربار کے نقطۂ نظر سے صرف ایسے مشہور معماروں کا نام مورخین نے لکھا ہے۔ جو تعمیری شعبوں میں اقتدار اعلیٰ کے مالک تھے۔ استاد احمد لاہوری نادر العصر کا نام رفتار زمانہ کے ساتھ بدلتا رہا چنانچہ پہلے تو وہ استاد نادر العصر ہوا۔ پھر استاد عصر ہوا۔ اور آخر میں استاد عیسیٰ رہ گیا انیسویں صدی کے اوائل تک یہی نام لوگوں کی زبانوں پر تھا۔ اور اس وقت تک قائم رہا۔ جب تک ۱۹۳۰ء میں لطف اللہ کے دیوان مہندس کی دریافت نہ ہوگی۔

جامع مسجد بُرہان پُور کے کتبات

از جناب مولوی معین الدین صاحب استاد اردو و فارسی سیوا سدن کالج برہانپور

برہان پور کی عظیم الشان شاہی جامع مسجد فن تعمیر کا عجیب نمونہ ہے، اسکے فلک بوس مینارے، کشادہ صحن، وسیع احاطہ، بلند دروازہ، حجروں کی قطاریں، دو حوض، سنگِ خارا کے لمبے ستون، کمانوں اور محرابوں کی ساخت اور ان کے نقش و نگار عجیب دلکش منظر پیش کرتے ہیں، عبد الباقی نہاوندی اور خافی خاں جیسے مورخوں نے اس کی نادر تعمیری صنعت کی تعریف کی ہے، اس جامع مسجد کا بانی فاروقی سلطنت کا اولوالعزم بادشاہ راجہ علی خاں الملقب بہ عادل شاہ تھا، جو نیک خصلت رعایا پرور، عالم باعمل، علماء کا قدر دان، صلحاء کا معتقد، اعلیٰ درجہ کا مدبر اور بڑا شجاع و بہادر تھا، اسے فن تعمیر سے بھی دلچسپی تھی، وہ ۹۸۴ھ میں اپنے بھائی محمد شاہ فاروقی کی وفات کے بعد تختِ سلطنت پر جلوہ افروز ہوا، اور اکیس ۲۱ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۰۰۵ھ میں دنیا سے رخصت ہوگیا، اس نے اپنے دورِ حکومت میں امن و امان قائم کیا، رعایا کو خوشحال بنایا، مسجدیں، مدرسے، سرائیں اور خانقاہیں تعمیر کرائیں، اور فوجی طاقت بڑھائی، محمد قاسم فرشتہ نے عادل شاہ فاروقی کی مدح میں ایک نظم لکھی ہے، جس میں اس کے عدل و انصاف کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے ؎

چو نسبت وار فاروقی است باد اجاودان عدلش
ہلاہل خوردگانِ ظلم را تریاقِ فاروقی

مولانا محمد حسین آزاد نے اس کی اہم شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے دربار اکبری میں تحریر کیا ہے کہ "راجہ علی خاں (عادل شاہ فاروقی) ایک کہن سال تجربہ کار تھا، نام کو برہان پور اور خاندیس کا حاکم تھا، مگر تمام خاندیس اور دکن میں اس کی تاثیر اثر برقی کی طرح دوڑی ہوئی تھی اور امور سلطنت کے ماہر اسے دکن کی کنجی کہا کرتے تھے"[1] اکبر نے دکن کی فتوحات کا دروازہ اسی کلیدِ دکن سے کھولا یعنی عادل شاہ فاروقی کی حمایت سے اس کو دکن کی جنگوں میں فتح حاصل ہوئی، اس نے دکن کی مہمات کے سلسلہ میں شہزادہ مراد کو تاکید کی تھی کہ ہر معاملہ میں عادل شاہ فاروقی سے مشورہ اور اسی کی رائے پر عمل کرنا خواہ وہ رائے تمہیں غلط ہی کیوں نہ معلوم ہو[2]، اکبر کے اس قول سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عادل شاہ کے فہم و تدبر کا کس قدر قائل تھا،

عادل شاہ فاروقی کا دورِ حکومت جنگ و جدل اور سیاسی کشمکش میں گذرا، اسکے باوجود اس نے اپنے فطری ذوقِ تعمیر کی بنا پر کئی عمارتیں تعمیر کرائیں، جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:

(۱) عادل پورہ زین آباد کی عظیم جامع مسجد اور اس سے ملحقہ سرائے
(۲) عادل پورہ برہانپور کی شاندار مسجد اور اس سے ملحقہ سرائے۔
(۳) حضرت شاہ منصورؒ کی مسجد (۹۹۰ھ)
(۴) قلعۂ اسیر کی شاہی جامع مسجد (۹۹۳ھ تا ۹۹۶ھ)
(۵) اسیر گڑھ کی عید گاہ (۹۹۷ھ)
(۶) برہان پور کی شاہی جامع مسجد (سنہ تاسیس ۹۹۷ھ)

[1] دربار اکبری ص ۵۹۷ [2] ظفر الوالہ جلد اول۔ ذکر عادل شاہ۔

آخری چار عبارتوں میں عادل شاہ فاروقی کے کتبات ہیں، لیکن اس مضمون میں صرف جامع مسجد برہان پور کے کتبوں کا ذکر کیا جائے گا۔

برہان پور کی جامع مسجد میں تین کتبے ہیں، ان میں سے ۲ عادل شاہ فاروقی کے ہیں اور ایک شہنشاہ اکبر کا۔ شہنشاہ اکبر کا کتبہ جنوبی مینار کے زیریں حصہ پر ہے، جس کا تعلق فتح امیر گڑھ سے ہے اور عادل شاہ فاروقی کے دونوں کتبے مسجد کی مغربی دیوار پر ہیں، اور دونوں کا تعلق تعمیر مسجد سے ہے، ان میں سے ایک کتبہ دائیں جانب کی محراب پر ہے اور دوسرا منبر کے قریب کی وسطی محراب پر۔ دائیں جانب کا کتبہ دو لسانی ہے، جس میں اوپر کی تین مختصر سطریں عربی میں ہیں اور نیچے کی چھ طویل سطریں سنسکرت میں، یہ عادل شاہ فاروقی کی رواداری کا ثبوت ہے کہ اس نے شاہی جامع مسجد میں جہاں مسلمانوں کی مذہبی زبان عربی میں کتبہ کندہ کرایا وہیں ہندوؤں کی مذہبی زبان سنسکرت میں بھی عبارت تحریر کرائی۔ اس کتبہ کی عربی عبارت حسب ذیل ہے:-

(سطر ۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ ثقتی

(سطر ۲) قال اللہ تعالیٰ وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ
احداً ۰ وقال علیہ السلام من بنی للہ مسجداً ولو کمفحص
قطاۃ بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ ۰ امر ببناء ھذا المسجد المبارک
الذی ھو من حسنات الزمان ۔ وکالشامۃ علی وجہ الحسان ۔
سیدنا ومولانا السلطان ۔

(سطر ۳) عادل شاہ بن مبارک شاہ بن عادل شاہ بن حسن خان
بن قیصر خان بن غزنی خان بن راجا ملک الفاروقی العدوی

خلد اللہ ملکہ وسلطانہ ۔ وافاض علی العالمین برہ واحسانہ ۔
خالصاً مخلصاً لوجہ اللہ الکریم ۔ وطلباً لمرضاۃ اللہ الجسیم ۔
تقبلہ منہ صالح الاعمال ۔ بمحمد وصحبہ والآل ۔ کان ابتداً
فی ایام السلطنۃ سنۃ سبع وتسعین وتسع مائۃ

عربی عبارت کا ترجمہ:-

میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا رحم کرنے والا اور نہایت مہربان ہے اور اسی پر میرا بھروسہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اور بےشک مسجدیں اللہ (کی عبادت) کے لیے ہیں پس تم اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو" اور (نبی) علیہ السلام نے فرمایا ہے "جو شخص اللہ کے لیے مسجد بناتا ہے اگرچہ وہ قطاۃ پرندے کے گھونسلہ کی طرح (مختصر) ہو، اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے"۔ ہمارے سردار اور آقا سلطان عادل شاہ بن مبارک شاہ بن عادل شاہ بن حسن خان بن قیصر خان بن غزنی خان بن راجا ملک الفاروقی العدوی نے، اللہ ان کے ملک و سلطنت کو ہمیشہ قائم رکھے اور مخلوقات پر ان کی نیکی اور احسان کا فیض جاری رکھے، خلوص و نیک نیتی سے خدائے کریم کی خوشنودی اور اس کی عظیم رضامندی حاصل کرنے کے لیے اس مبارک مسجد کی تعمیر کا حکم دیا جو زمانہ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہے اور (روشن فضا میں سنگ سیاہ کی یہ عمارت) ایسی نظر آتی ہے جیسے حسینوں کے (گورے) چہرہ پر (کالا) تل۔ اللہ تعالیٰ حضرت محمدؐ اور آپ کے آل و اصحاب کے طفیل میں اس (بادشاہ) کے اعمال صالحہ کو قبول فرمائے۔

(تعمیر مسجد کی) ابتدا (اس بادشاہ کے) عہد سلطنت میں ۹۹۷ھ میں ہوئی تھی۔

کتبہ پر تبصرہ کتبۂ مذکورہ خطِ نسخ میں ہے جس میں خط طغرا کی آرائشیں شامل ہیں، اس میں قرآن مجید کی ایک آیت، ایک حدیث، بانی مسجد کا سلسلۂ نسب، دعا اور تعمیر مسجد کے آغاز کا سنہ درج ہے، تکمیل کا سنہ نہیں ہے، کاتب نے مختصر سی جگہ میں اتنی طویل عبارت کندہ کر کے اپنے کمالِ فن کا مظاہرہ کیا ہے، اس اختصار کے لیے اس نے یہ تدبیر کی کہ چوڑی سطروں میں کوئی جگہ خالی نہیں چھوڑی، ہر سطر میں نیچے، اوپر اور درمیان میں جہاں بھی جگہ ملی کوئی نہ کوئی لفظ یا حرف بلا لحاظ ترتیب کندہ کر دیا ہے، اسکے علاوہ بعض جگہ ایک ایک حرف سے دو دو اور تین تین حرفوں کا کام لے لیا ہے، مثلاً "حسناتُ الزمان وکالشامۃ علی الحسانٌ" کو اس طرح لکھا ہے:۔

حسناتُ الزمان وکالشامۃ علی الحسان یعنی "حسنات" کے ایک ہی الف سے تین حرفوں کا کام لیا ہے ایک تو "حسنات" کے الف کا، دوسرے زمان کے الف کا اور تیسرے "کالشامۃ" کے لام کا، اسی طرح "کالشامۃ" میں کا کے الف سے دو الفوں کا کام لیا ہے، ایک تو کا کے الف کا، دوسرے شامۃ کے الف کا، غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ کاتب نے کالشامۃ کے جزو "لشا" کی تحریر میں حرف "ش" کے شوشے (ﺸ) بنا کر انھیں "حسنا" اور "کا" کے دو الفوں کے درمیان اس طرح جوڑا ہو کہ خود بخود "لشا" بن گیا ہو، اس طرح اس نے نصف حرف سے تین حرفوں کا کام لیا ہو، کاتب نے عبارت کی تحریر میں چوڑی سطروں میں جہاں جہاں الف اور لام آئے ہیں ان کو اس طرح کھینچکر لکھا ہے کہ بے شمار لمبے لمبے ستون بن گئے ہیں، باقی الفاظ یا حروف ان ستونوں کے اوپر نیچے اور درمیان میں ایک خاص انداز میں تحریر کر کے ایک دلکش ڈیزائن بنا دی ہے، کتبہ کی عبارت ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے مخمل پر کار چوبی کام۔

یہ طرز تحریر کی ظاہری خوبی ہے، معنوی خوبی یہ ہے کہ عبارت نہایت فصیح و بلیغ اور مسجع و مقفیٰ ہے، چھوٹے چھوٹے فقروں کے آخر میں ہم قافیہ الفاظ کی صوتی ہم آہنگی عجب لطف دیتی ہے

دو لسانی کتبہ کی سنسکرت عبارت

श्री स्टिष्टि कर्त्रन्नमः अव्यक्त व्यापकं नित्यं गुणातीतं चिदात्मक व्यक्तस्य कारणं वंदे व्यक्ता व्यकतत मीश्वरं ॥१॥ यावद्यं द्राक्कं तारा

दिस्थितिः स्यादंबरांगणे तावत्फारू किवंशो सौ विरं नंदतु भूतले ॥२॥ वंशे थतास्मिन्नु किल फारूकीद्रोन भूवराजा मलिकाभिधानः तस्या भवत्सूं

नुरू दाखेताः कुलावंत सी गजनी नरेशः ॥३॥ तस्माद भू केसर खानॅ वीरः पुत्रस्तदीयो हसन क्षितीशः तस्माद भूदे दल शाह भूपः पुत्रो भवत्तस्य मुबार खेंद्र ॥४॥

तत्सूनुः क्षितिपाल मौलिमुकुट व्याघृष्ट पादांबुजः सत्कीर्त्ति विलस श्र तापवश गामित्रः क्षिती शेश्वरः यस्याहन्निशिममान तिगुणि गणातीते परे ब्रह्माणि श्री भानेदल भू पति

बिजियंते भू पाल चूडामणिः ॥५॥ स्वस्ति श्री संवत १६५६ वर्षे शाके १५११ विरोधि संवत्सरे पौष मासे शुक्ल पक्षे १० घटी २३ सहैकादश्यां तिथौ सोमे स्वत्तिका घटी

३३राह रोहिणयां

शुभ घटी ४२ योगे वणिज करणे ऽस्मिम दिनरात्रे
गत घटी ११समये कन्या लग्ने श्री मुबारख शाह सुत
श्री ७ एदल शाह राज्ञा मसीतिरियं निर्मित्ता स्वधर्म
पालनार्थं ॥

ترجمہ:۔ (۱) عزت وجلال والے خالق کائنات کو سلام۔ میں اس خدا کی عبادت کرتا ہوں جو نظر نہیں آتا، جو ہر جگہ موجود ہے، ازلی اور ابدی ہے اور تمام اوصاف سے برتر ہے، وہ دل میں رہتا ہے، جو کچھ نظر آتا ہے اس (کی تخلیق) کا وہی سبب ہے۔ وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔

(۲) جب تک آسمان پر چاند سورج اور تارے موجود ہیں تب تک یہ فاروقی خاندان روئے زمین پر خوشی وخرمی سے زندگی گزارے۔

(۳) اس خاندان میں اول فاروقیوں کا سردار مسمی راجہ ملک تھا، جس کا فرزند بادشاہ غزنی خاں تھا جو ممتاز دل اور تاج خاندان تھا۔

(۴) غزنی خاں کا فرزند بہادر قیصر خاں تھا۔ قیصر خاں کا فرزند مالکِ زمین حسن خاں تھا حسن خاں کا فرزند بادشاہ عادل شاہ تھا۔ عادل شاہ کا فرزند آقا مبارک شاہ تھا۔

(۵) مبارک شاہ کا فرزند فاتح ونامور بادشاہ عادل شاہ ہے، جو بادشاہوں کے تاج کا گوہر ہے، دوسرے بادشاہوں کے تاجوں کے جواہرات اس کے کنول جیسے قدموں پر رگڑے جاتے ہیں (یعنی جب دوسرے بادشاہ سلطان

عادل شاہ کی قدم بوسی کے لیے جھکتے ہیں تو ان کے تاجوں کے جواہرات اسکے قدموں سے چھوتے ہیں)۔ اس کی نیک نامی کی شہرت پھیلی ہوئی ہے، اور اسکے دشمن اس کی شجاعت (کو دیکھ کر اس) کے فرمانبردار بن گئے ہیں۔ وہ بادشاہوں کا آقا ہے اور شب وروز اس برتر ہستی (خدا) کے آگے جھکا رہتا ہے، جو ہستی تمام اوصاف سے برتر ہے۔

(۶) مرحبا، سبحان اللہ، یہ مسجد بادشاہ شری[۱] عادل شاہ نے جو نامور مبارک شاہ کا فرزند ہے، اپنے مذہب کی پابندی کے لیے بنائی سمبت ۱۶۶۴ مطابق شکے ۱۵۱۱ میں، پوس مہینے میں، چاندنی کے پاکھ میں، دسویں تاریخ کی ۲۳ ویں گھڑی[۲] میں، جس کے بعد گیارھویں تاریخ تھی۔ پیر کے دن کرتکا نکھتر کی ۳۳ ویں گھڑی میں، جس کے بعد روہنی تھی، مبارک ساعت میں جو بیالیس ۴۲ گھڑی تک رہنے والی تھی، ونیجا کرنا میں اس وقت جبکہ اس روز کے رات کی گیارہ گھڑیاں گزر چکی تھیں اور کنیا لگن تھا۔

سنسکرت کے کتبہ پر تبصرہ کتبہ کی زبان سنسکرت اور رسم الخط ناگری ہے، لیکن میں نے مسجد میں لگے ہوئے اصل کتبہ سے سنسکرت عبارت مراٹھی رسم الخط میں نقل کی ہے، کیونکہ اس کتبہ کا رسم الخط اگرچہ ناگری ہے مگر اس کے بعض حروف کا رسم الخط موجودہ ناگری رسم الخط سے بہت مختلف ہے، اس لیے اسے روانی سے نقل کرنا مشکل تھا۔ مذکورہ کتبہ کے رسم الخط کی نوعیت حسب ذیل ہے:۔

---

[۱] راجا کے نام کے ساتھ شری کا عدد عموماً ۱۰۸ لکھا جاتا ہے، لیکن یہاں صرف ۷ لکھا گیا ہے

[۲] گھڑی یا گھٹی سے ۲۴ منٹ کا وقفہ مراد ہوتا ہے۔

(۱) اس کتبہ میں حرف य (ی) اور حرف प (پ) کی تحریری شکل بالکل ایک ہے، مثلاً व्यापक (یعنی ہر جگہ موجود) کا رسم الخط व्यापक اور अव्यक्त (یعنی نظر نہ آنے والا) کا رسم الخط अव्यक्त ہے۔ دونوں مثالوں میں य کو بالکل प کی شکل میں لکھا گیا ہے۔

(۲) سنسکرت کا ایک مرکب حرف क्त (کت) ہے۔ اس کا رسم الخط اس کتبہ میں کہیں क्त ہے کہیں क्त، کہیں क्त اور کہیں क्त

(۳) حرف भ (بھ) کا رسم الخط مراٹھی عدد چار (۴) کی طرح ہے جس کا دایاں سرا ایک لمبی لکیر سے ملا ہوا ہے، اس کی مختلف اعرابی حالتیں ملاحظہ کیجیے۔

भ (بھ भ)، भू (بھو भू)، भि (بھ भि)۔

(۴) حرف च (چ) کی شکل پرچم نما ہے، ملاحظہ کیجئے۔ च۔ مزید مثال चुडामणि: (چوڈامنی یعنی سر کا زیور)۔ کتبہ میں ت اور چ (त+च) کی مرکب شکل اس طرح ہے، च्च۔ مثلاً यावत चंद्रार्क तारा (یعنی جبتک چاند سورج اور تارہ) کو اس طرح لکھا ہے यावच्चंद्रार्क तारा۔

(۵) श (ش) کا استعمال دیکھئے۔ शुभ (شبھ یعنی مبارک)۔ शुक्ल پक्ष (یعنی چاندنی کے پاکھ میں) کے پہلے جزو شکل کا رسم الخط یہ ہے शुक्ल

(۶) بڑی ऊ کی ماترا جسے مراٹھی میں दीर्घ ऊकार کہتے ہیں اور جس کے لئے اردو میں واوِ معروف (ؤ) کا استعمال ہوتا ہے اس کتبہ میں ہر جگہ اردو کے آٹھ کے ہندسہ (۸) سے ظاہر کی گئی ہے جیسا کہ آپ "بھو" اور "چوڈامنی" کی تحریر میں دیکھ چکے ہیں۔

(۷) ایک قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس کتبہ میں عادل شاہ کو "عیدل شاہ" (एदलशाह) اور مبارک شاہ کو "مبارکہ شاہ" تحریر کیا گیا ہے۔ غالباً عادل شاہ کا تلفظ ہندی میں عیدل شاہ ہوگا اور اسی بنا پر عادل شاہ کا آباد کردہ قصبہ عادل آباد عوام میں ابتک "عیدلاباد" एदलाबाद کے نام سے مشہور ہے۔

عادل شاہ فاروقی نے اپنی رواداری کا ثبوت دیتے ہوئے اسیر گڈھ اور برہانپور کی جامع مسجدوں میں اپنی ہندو رعایا کی مذہبی زبان سنسکرت میں بھی کتبے کندہ کرائے ہیں کیونکہ سب زبانیں خدا کی بنائی ہوئی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمھاری زبانیں اور رنگ الگ الگ بنائے ہیں لیکن براہو تنگ نظری کا کہ بعض لوگوں نے اس رواداری کا غلط مطلب لیا۔ چنانچہ ڈاکٹر بلاک نے اسیر گڈھ کی جامع مسجد کے سنسکرت کتبہ کو دیکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ عادل شاہ فاروقی نے یہ مسجد اس لئے تعمیر کرائی تھی، کہ ہندو اور مسلمان اس میں اپنے اپنے مذہب اور دھرم کے مطابق عبادت اور پوجا کریں، اور اس کے ثبوت میں اس نے یہ تحریر کیا ہے کہ سنسکرت کتبہ کے آغاز میں ہندوانہ دعائیہ کلمات ہیں[1]۔ حالانکہ یہ رائے بالکل غلط ہے، برہان پور اور اسیر گڈھ کی جامع مسجدوں کے عربی و سنسکرت کے دونوں کتبوں کی عبارتیں بڑی حد تک ملتی جلتی ہیں، برہان پور کی جامع مسجد کے سنسکرت کتبہ کا ترجمہ تو آپ پڑھ چکے ہیں، اس میں ایک بھی جملہ اسلامی عقائد کے خلاف نہیں ہے، بلکہ خدا کی ذات و صفات کا بیان قرآن د

---

[1] مضمون "اسیر گڈھ کے کتبات" معارف ماہ جون ۱۹۲۴ء

وحدیث کے مضامین کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے، اب اسیر گڈھ کے سنسکرت کتبہ کے آغاز کی عبارت کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیے، جس پر اعتراض ہے،

"خالقِ کائنات کو سلام جو تمام اوصاف کا مالک ہوتے ہوئے بھی ان سے مبرّا ہے، جو ظاہر بھی ہے باطن بھی، جو دل میں اور مسرّت میں رہتا ہے، ازلی اور ابدی ہے۔ اور دنیا کو قائم رکھنے والا ہے"

ان کے نظریہ کے مطابق کتبہ کی عبارت کا اتنا حصہ قابلِ اعتراض ہے، سمجھ میں نہیں آتا، کہ اس کا کونسا جملہ اسلامی عقائد کے خلاف ہے، اس کے پہلے فقرہ کو عربی زبان میں ادا کیا جائے تو یہ عبارت بن جائے گی، اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ الَّذِی خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ٥ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ کے الفاظ تو ہر نمازی قعدہ میں ادا کرتا ہے، خَلَقَ سے آخر تک کی عبارت سورۂ طٰہٰ میں موجود ہے، اب رہا دوسرا فقرہ "جو تمام اوصاف کا مالک ہوتے ہوئے بھی اُن سے مبرّا ہے"، تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ صوفیائے کرام کے نزدیک ذاتِ الٰہی کی شانِ ظہور کے چھ مراتب ہیں، ان میں مرتبۂ اولیٰ اَحَدِیَّت ہے، اس مرتبہ میں خدا کو تمام اوصاف سے بالاتر مانا گیا ہے، ڈاکٹر میر ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب "قرآن اور تصوف" کے صفحہ ۸ پر اس مرتبہ کی اس طرح وضاحت کی ہے، "احدیت سے مراد حق تعالیٰ کی ذاتِ محض ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر کہا، یہ ذات اپنی کنہ و حقیقت کے لحاظ سے نامعلوم و ناقابلِ علم ہے، اسی لئے اس کو "غیب مطلق" "مقطوع الاشارات" اور "مجہول النعت" کہا جاتا ہے، یہ تمام قیود و اضافات سے منزّہ ہے ..... نہ مطلق نہ مقید، نہ عام نہ خاص، بے وصف، بے نعت، بے نام، بے نشان، بے مکان، بے زمان! احدیت بے رنگی و بے کیفی کا مرتبہ ہے، ...."

حضرت شاہ عیسیٰ جند اللہؒ نے اسی مرتبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسالہ انوار الاسرار کے دیباچہ میں تحریر کیا ہے، کہ "ذاتُ اللّٰہِ مُتَعَالِیَۃٌ مِنْ اَنْ یُّنْسَبَ اِلَیْہِ وَصْفٌ" یعنی اللہ کی ذات اس بات سے برتر ہے کہ اس کی طرف کسی وصف کی نسبت کی جائے،

اب رہا یہ مضمون کہ "اللہ دل میں رہتا ہے" تو یہ حضور کی حدیث قُلُوْبُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَرْشُ اللّٰہِ کا ترجمہ ہے، باقی جملے وہ ظاہر بھی ہے باطن بھی، وہ ازلی و ابدی ہے اور دنیا کو قائم رکھنے والا ہے" وہ قرآن مجید کی ان عبارتوں کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں، (۱) ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ (۲) ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ،

اس وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ برہان پور اور اسیر گڈھ کی جامع مسجدوں کے سنسکرت کے کتبات میں کوئی بات اسلامی عقائد کے خلاف نہیں ہے،

آخر میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے سنسکرت کتبہ کا جو اُردو ترجمہ پیش کیا ہے، وہ پروفیسر کیل ہارن (Kiel harn) کے انگریزی[۱] ترجمہ کا ترجمہ ہے، باقی مضمون مع تبصرہ میرا ہے، اس مضمون میں جامع مسجد برہانپور کے صرف دو لسانی کتبہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، اب صرف دو کتبے باقی ہیں، جن میں سے ایک وسطی محراب پر ہے اور دوسرا جنوبی مینار کے زیریں حصہ پر،

---

[۱] یہ ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا ہے، مجھے صرف ترجمہ ملا، سنسکرت عبارت نہیں ملی،

ادبیات

غزل

از

جناب عروج زیدی

اس حقیقت کا بیاں سے حق ادا ہو یا نہ ہو
میرا دل میرا نہیں ہے آپ کا ہو یا نہ ہو

زندگی راحت اثر راحت فزا ہو یا نہ ہو
یہ مجھے پیاری ہے تصدیقِ وفا ہو یا نہ ہو

ضبطِ عرضِ مدعا تو اپنے بس کی بات ہو
کون کہہ سکتا ہے ترکِ مدعا ہو یا نہ ہو

غم شناسی کے لئے ٹوٹا ہوا دل چاہیے
یہ غلط ہے آدمی غم آشنا ہو یا نہ ہو

ابتدائے کار کا حاصل خدا پر چھوڑیئے
آپ وعدہ تو کریں وعدہ وفا ہو یا نہ ہو

اب مرے پیشِ نظر ہے اک مقامِ بے مقام
اُس جگہ عقلِ رسا، عقلِ رسا ہو یا نہ ہو

یہ بتا جس کا مقدر، ہر قدم پر ٹھوکریں
موت اس کی زندگی کا آسرا ہو یا نہ ہو

میں بہ ہر صورت خرابِ لطفِ چشمِ ناز ہوں
آپ کی جانب سے اس کی ابتدا ہو، یا نہ ہو

صاحبِ لولاک سے نسبت ہے وجہِ افتخار
وسعتِ کون و مکاں اب زیرِ پا ہو یا نہ ہو

وہ بچھڑتے ہیں ملے تھے جو بچھڑنے کے لئے
دیکھئے اب گردشِ ارض و سماں ہو یا نہ ہو

اضطرابِ شوق کے حق میں نہیں یہ نیک فال
لمحۂ تسکینِ خاطر دیرپا ہو، یا نہ ہو

ان کی مرضی سے فروزاں ہے چراغِ زندگی
سانس لینے کا خبر میں حوصلہ ہو یا نہ ہو

ایک پتھر دل کی پلکوں میں چراغاں ہو گیا
یہ ہماری عرضِ غم کا معجزہ ہو، یا نہ ہو

ایک ہیں اہلِ نظر کے واسطے غیب و شہود
میں اسے خالق کہوں گا سامنا ہو یا نہ ہو

جس کی ہر جنبش پہ میرے جان و دل صدقے عروج!
وہ نظر منجملۂ اہلِ وفا ہو، یا نہ ہو

غزل

از

جناب چندر پرکاش جوہر صاحب بجنوری

یہ حدودِ وہم و گماں میں ہے نہ مقامِ ہوش و خبر میں ہے
وہ جو ایک جلوۂ معتبر مری چشمِ جلوہ نگر میں ہے

مٹے زندگی تو مٹا کرے، لہو دل کا ہو تو ہوا کرے
وہ غریب شکوہ ہی کیا کرے جو فریبِ شام و سحر میں ہے

مرا رازِ دل جو نہ کہہ سکا جو ٹپک سکا نہ جو بہہ سکا
جو امانتِ غمِ عشق ہے وہی اشکِ دیدۂ تر میں ہے

یہ شبِ فراق کی لذتیں بخدا بہت ہی عجیب ہیں
کوئی شامِ غم سے ہے مطمئن کوئی انتظارِ سحر میں ہے

رہِ شوق میں مرے راہبر نہ تجھے سکوں نہ مجھے سکوں
مری زندگی بھی سفر میں ہے تری زندگی بھی سفر میں ہے

وہی بے حسی وہی بے بسی، کوئی زندگی ہے یہ زندگی
نہ سرورِ گریۂ شب میں ہے نہ گدازِ آہِ سحر میں ہے

نہ ملے گا جوہرِ بے خبر کبھی پھر یہ لمحۂ مختصر
تجھے دیکھنا ہو تو دیکھ لے ابھی کوئی حدِ نظر میں ہے

غزل

از جناب اسلم صاحب سندیلوی

جوششِ مے سے ابھی چھلکا ہے پیمانہ کہاں
اپنا شیدائی ہوا ہے تیرا دیوانہ کہاں

چشمِ ظاہر بیں کہاں اور تیرا دیوانہ کہاں
عقل سے محصور ہوا یہ ایسا افسانہ کہاں

کارفرما ہوتے ہیں کچھ وقت سے جذب سکو — ایک عالم میں رہا کرتا ہے دیوانہ کہاں

دل کا جلنا اور کچھ ہے خودکشی کچھ اور ہے — عشق کی راہوں سے ہے مانوس پروانہ کہاں

لالہ وگل سے تری تشبیہ ہو سکتی نہیں — حسن ہے لیکن وہ اندازِ حجابانہ کہاں

جس کی اک ضو سے جلا پاتے ہوں لاکھوں آئینے — اُس کی حیرانی کا باعث آئینہ خانہ کہاں

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح ہے بے نقاب — غم میں جو صبر آشنا ہے تجھ سے بیگانہ کہاں

مے پرستوں پر کھلا کرتا ہے رازِ میکدہ — زاہدِ خود بیں کہاں اسرارِ میخانہ کہاں

پوچھئے اسلم سے کیا ہو لطفِ شعر و شاعری
مدتوں سے وہ شریکِ بزمِ رندانہ کہاں

غزل

از جناب سالک رحمانی

بگاڑ سکتی ہے کیا گلوں کا یہ برق کی جانستاں مزاجی — چمن کے کانٹوں سے پا گئی ہو کلی کلی بایباں مزاجی

صبا کی اٹکھیلیاں بھی جیسے چمن کو اب ناگوار سی ہیں — تمہارے حسنِ خرام نے دی زمیں کو وہ آسماں مزاجی

تمہارے دامن کی نکہتوں سے فضائیں مخمور ہو رہی ہیں — تمہارے عارض سے مل گئی ہو گلوں کو بھی مہوشیاں مزاجی

تمام عالم فریب جلوہ تمام عالم حجاب رنگیں — نہ جانے سیکھی حقیقتوں نے کہاں سے یہ داستاں مزاجی

نہ دیر و کعبہ کی سمت دیکھا نہ میکدہ سے نظر ملائی — ہماری قسمت میں لکھ گئی ہو ازل سے یہ بدگماں مزاجی

نہ جانے کتنے خدا بنائے نہ جانے کتنے حرم سجائے — جبینِ آدم کو بخش دی ہو کسی نے وہ آستاں مزاجی

تمہاری آشفتگی کو اب بھی شعور گلزار دے رہا ہیں — ہماری فطرت ہی بن گئی ہے خلیل کی امتحاں مزاجی

کبھی یہ ظلمت کدہ بھی دل کا ہو نورِ عرفاں سے فروزاں — کبھی تو ہم کو بھی راس آئے فرہ کی یہ کہکشاں مزاجی

یہ حسرتوں کا ہجوم لیکر ازل سے اب تک بھٹک رہے ہو
کہاں کہاں لے گئی ہے سالک تمہاری یہ رواں مزاجی

مطبوعاتِ جدیدہ

مشیرِ اوقاف: مرتبہ جناب سید آل حسن صاحب ایم اے، ایل، ایل، بی، تقطیع اوسط، ضخامت ۴۶ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت سالانہ خاص عہ ۱۵ روپئے، عام عللہ روپئے، پتہ: سُنّی سنٹرل وقف بورڈ نمبر ۱۹ موتی لال بوس روڈ لکھنؤ،

یہ سہ ماہی رسالہ سنٹرل سنّی وقف بورڈ اترپردیش کا ترجمان ہے، اور اس کا اصل مقصد اس صوبے کے اوقاف کے متعلق معلومات فراہم کرنا ہے، لیکن اس کے موجودہ سکریٹری جناب سیّد رفیع الدین احمد صاحب رحمانی علمی مذاق کے آدمی ہیں، اور ان کو سیّد آل حسن صاحب جیسا صاحبِ ذوق اڈیٹر مل گیا ہے جنھوں نے اس کو ایک سنجیدہ علمی رسالہ بنا دیا ہے، ابھی اس کے دو نمبر نکلے ہیں، دونوں اوقاف سے متعلق معلومات کے ساتھ سنجیدہ علمی و مذہبی مضامین پر مشتمل ہیں، دوسرا پرچہ سید سالار مسعود غازی نمبر ہے اس میں حضرت سید سالار سے متعلق تاریخی مضامین کے علاوہ وحدۃ الوجود وحدۃ الشہود، قرآن کے سایہ میں حضرات صوفیہ اور اتباع شریعت جیسے مضامین بھی ہیں، جس سے اس کے معیار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور ادبیات کا حصّہ بھی ستھرا ہے۔ اس زمانہ میں جب کہ عام طور پر مذاق بگڑ گیا ہے، اور

سامانِ طباعت کی ہوشربا گرانی سے پرانے پرچوں کا چلانا مشکل ہو رہا ہے، ایک سنجیدہ علمی رسالہ نکالنا بڑی ہمت کا کام ہے، جس کے لئے سُنّی وقف بورڈ مبارکباد کا مستحق ہے، اس سے سنجیدہ رسائل کی صنف میں ایک اچھے رسالہ کا اضافہ ہوا، "م"

ایک شہر پانچ مشاہیر۔ مرتبہ جناب عبدالقوی صاحب دسنوی، تقطیع خورد کاغذ کتابت وطباعت عمدہ صفحات ۷۰، مجلد مع گردپوش، قیمت: صہ ناشر نسیم بکڈپو، لاٹوش روڈ، لکھنو

بھوپال علم وفن اور اصحابِ کمال کا مرکز رہا ہے، اسی لئے دوسرے مقامات کے بہت سے مشاہیر وفضلا بھی اس سے متعلق رہے ہیں، عبدالقوی دسنوی نے ان میں سے بعض اکابر کے متعلق وقتاً فوقتاً مختلف رسالوں میں جو مضامین لکھے تھے ان کا ایک مجموعہ "بھوپال اور غالب" کے نام سے پہلے چھپا تھا، اب انھوں نے پانچ اور مشاہیر امیر مینائی، سر راس مسعود، علامہ اقبال، جگر مرادآبادی اور راجندر سنگھ بیدی کے بھوپال سے تعلق پر یہ کتاب شائع کی ہے، اس میں ان کے بھوپال سے تعلق کی تقریب، وہاں کے زمانہ قیام کے واقعات ومشاغل علمی وادبی سرگرمیوں سے دلچسپی، والیان ریاست، امرا، اور ارباب فضل وکمال سے تعلقات اور دوسری مفید اور دلچسپ باتوں کے علاوہ ان کی سیرت وشخصیت کے مختلف جلوے بھی دکھائے ہیں، لائق مصنف کو تحریر وتالیف کا اچھا سلیقہ ہے، لیکن ان کو اپنی قلمی کاوشوں کا دائرہ تنگنائے بھوپال کے باہر بھی نکالنا چاہئے، صفحہ ۵ پر فانی بدایونی کے ۴۶ئہ یا ۴۷ئہ میں بھوپال کے ایک مشاعرہ میں شرکت کا ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ انکا انتقال ۱۹۴۱ئہ ہی میں ہوچکا تھا، ص ۵۲ پر کتابت کی غلطی سے مضائقہ کا املا مذائقہ لکھ گیا ہے،

مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، متوسط تقطیع کاغذ، کتابت وطباعت اعلیٰ صفحات ۱۸۰ مجلد، مع گردپوش قیمت:- للعہ پتہ:- مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹ لکھنؤ،

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تقریروں کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں، اس مجموعہ کی اکثر تقریریں یورپ میں کی گئی ہیں، اور ان کے اصل مخاطب وہاں تعلیم حاصل کرنے والے ہندوپاک اور بعض مسلم ملکوں کے نوجوان مسلمان ہیں، بعض تقریریں ہندوستان کی بھی ہیں، چند مضامین کے ترجمے بھی ہیں، جو عربی رسالوں کے لئے لکھے گئے تھے، ان سب میں مولانا نے مغربی تہذیب وتمدن کی ترقیوں اور برق وبخارات میں کمالات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی سب سے بڑی کمی فیضان سماوی اور وحی وہدایت الٰہی سے محرومی اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بحران وانتشار کا ایک دردمند مصلح کی حیثیت سے ذکر کیا ہے، ان کا خیال ہے، اور بجا خیال ہے کہ مغرب کی سیاسی واقتصادی برتری مسلّم مگر انبیاء کی تعلیم وہدایت کا خزانہ مشرق کے پاس ہے، اس لئے مسلمان نوجوانوں سے اپیل ہے کہ "وہ مشرق سے ایمان ویقین اور عمل صالح کی دولت مغرب کو پہنچائیں، اور مغرب سے اس کے صالح اور بے ضرر وسائل زندگی مشرق کو منتقل کریں، اور مشرق ومغرب کی خلیج کو پاٹ کر انسانیت کے اعلیٰ رہنما اور مسیحا بن جائیں، مولانا نے مغربی فکر وفلسفہ کی خامیوں اور نقائص کو واضح کرکے اس کی ذہنی غلامی اور اندھی تقلید سے بچنے کی پرزور تلقین کی ہے، ان کے خطبات اور مضامین کے دوسرے مجموعوں کی طرح یہ بھی انکی دلسوزی اخلاص اور دردمندی کا نتیجہ، ایمان ویقین سے معمور اور شیریں بیانی اور اسلوب کی دلکشی ولطافت کا نمونہ اور ہر مسلمان خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہے،

تسلسلات امدادیہ - مرتبہ ڈاکٹر ماجد علی خانصاحب تقطیع خورد کاغذ کتابت و طباعت قدرے بہتر صفحات ۴۰، قیمت عہ روپیہ پتہ مولوی نصیرالدین کتبخانہ اختری متصل مظاہر علوم سہارنپور،

یہ کتابچہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مختلف سلاسل اور سلسلہ چشتیہ صابریہ کے مختصر حالات پر مشتمل ہے، شروع میں شجرہ کی حقیقت، سلاسل کی تاریخ ہندستان میں سلسلہ چشتیہ کی ابتد اور مشائخ چشت کے نظام اصلاح اور طریقۂ تربیت پر بھی مختصر گفتگو کی گئی ہے، یہ رسالہ خصوصیت حضرت حاجی صاحب کے سلسلہ سے منسلک و متوسل لوگوں کی قدر دانی کے لائق ہے۔

بادۂ عرفاں از جناب حفیظ بنارسی، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۹۶، مجلد مع گرد پوش، قیمت: پانچ روپیہ، پتے:- (۱) دفیر حفیظ بنارسی، ملکی محلہ آرہ (۲) پر دفیر حفیظ بنارسی ۱۱۶، بازار سدانند بنارس (۳) کتاب منزل سبزی باغ پٹنہ

جناب حفیظ بنارسی خوش فکر و خوش گو شاعر ہیں، اُن کی غزلوں کا مجموعہ "درخشاں" پہلے چھپ چکا ہے، اور اس پر معارف میں تبصرہ بھی کیا جا چکا ہے، اب انھوں نے "بادۂ عرفاں" کے نام سے اپنا دوسرا مجموعۂ کلام شائع کیا ہے، یہ حفیظ صاحب کے دینی ذوق اور ایمانی جذبہ کا ثبوت اور حمد و مناجات اور نعت و منقبت سے متعلق نظموں اور رباعیوں کا مجموعہ ہے اس کا زیادہ حصہ نعتوں پر مشتمل ہے عموماً نعت گو شعراء رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و محامد بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، اور جوش عقیدت میں حد اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں لیکن حفیظ صاحب حدود و مراتب کے ادا شناس ہیں انھوں نے آپکے اوصاف و کمالات کی طرح آپ کی اعلیٰ سیرت و کردار اور مقدس تعلیمات و ہدایات کا ذکر بھی کیا ہے، امید ہے کہ عقیدتمندان رسالت اس پرکیف بادۂ عرفاں سے سرشار اور لطف اندوز ہوں گے،

"ض"

جلد ۱۱۴ ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۷۴ء عدد ۴

مضامین